ماہنامہ مجلہ

# حیات نو

بلریاگنج

نماز کا اعلیٰ ترین پہلو وہ دماغی یکسوئی ہے جو انسان کو اپنے خالق سے منسلک کر دیتی ہے۔ ہندو سادھوؤں کا گیان، عیسائی تارکان دنیا کی ریاضت اور صوفیائے اسلام کا مراقبہ اسکے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر زکریا

اسلامیات کا یہودی پروفیسر

Regd. No. 46065/86 Phone : 05466-25115

Monthly Mojallah " HAYAT-E-NAU "

Bilariya Ganj - Azam Garh (U.P.) 276121

Oct-Nov 2003 AD.

Vol. No.19 No.10-11

## اپیل

آج جبکہ ہر طرف مادیت کا دور دورہ ہے۔ اخلاقی قدریں روبہ زوال ہیں۔ اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ اور ملت اسلامیہ کو مختلف چیلنجوں کا سامنا ہے۔ ایسے پر آشوب دور میں **جامعۃ الفلاح** تمام چیلنجوں کا ایک پر عزم جواب اور امید کا ایک روشن مینار ہے۔

**جامعہ** میں مسلم طلبہ وطالبات کی تعلیم وتربیت کا نظم اس طرح کیا گیا ہے کہ ایک طرف ان کے اندر قرآن وسنت کی گہری بصیرت پیدا ہو تو دوسری طرف وہ عصر حاضر کے افکار ونظریات سے بھی بخوبی واقف ہو سکیں۔ ان کے اندر شہادت حق اور اقامت دین کا ایسا جذبہ پیدا ہو کہ وہ اخلاق وکردار کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو کر معاشرہ کی اصلاح اور دعوت دین کے لئے اپنی صلاحیتیں وقف کر سکیں۔

اس وقت جامعہ میں تقریباً پانچ ہزار طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں اور ان کی تعلیم وتربیت اور دیگر امور کی انجام دہی کے لئے تقریباً ۲۵۰ اساتذہ ومعلمات ودیگر کارکنان ہمہ وقت مصروف کار ہیں۔ ہوش ربا گرانی اور دیگر مصارف کا بار جامعہ پر برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ اس وقت آپ کی امیدوں کا یہ مرکز مالی پریشانیوں سے دوچار ہے۔

لہٰذا تمام بہی خواہان جامعہ اور برادران ملت سے اپیل ہے کہ بڑھتے ہوئے مصارف کے پیش نظر مالی بحران سے دوچار جامعہ کا مالی واخلاقی تعاون فرما کر ہمارے حوصلوں کو قائم رکھیں تاکہ ادارہ اپنے نصب العین کے حصول میں برابر مصروف کار رہے اور تعلیم وتربیت کے سلسلے کے اہم ترین منصوبے بروئے عمل لائے جا سکیں۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

والسلام

ناظم جامعۃ الفلاح

بلریاگنج اعظم گڑھ یوپی

بینک اکاؤنٹ:
Jamiatul Falah
A/C No.20001
U.B.I. Bilariyaganj Branch

پتہ

دفتر حیات نو

مجلہ حیات نو جامعۃ الفلاح

بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱ فون نمبر: 05466-25115

[illegible]

ماہنامہ مجلہ

# حیاتِ نو

بلریاگنج

شعبان و رمضان ۱۴۲۴ھ
اکتوبر و نومبر ۲۰۰۳ء

جلد نمبر ۱۹

شمارہ نمبر ۱۰-۱۱

**مدیر مسئول**
ابوالمکارم ازہری فلاحی

**معاون مدیر**
انیس احمد فلاحی مدنی

☆ سالانہ زرِ تعاون: ۹۰ روپے

☆ خصوصی زرِ تعاون: ۲۰۰ روپے

☆ بیرونِ ملک: ۲۵ امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لیے: ۸۰ روپے

☆ اعزازی زرِ تعاون: ۱۰۰۰ روپے

☆ اس شمارہ کی قیمت: ۱۵ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد از جلد سالانہ زرِ تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

**ترسیلِ زر کا پتہ**

ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو جامعۃ الفلاح
بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱
Phone:05466-25115

# نقوش حیات نو


| | | |
|---|---|---|
| ○ اداریہ | | |
| رمضان کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کی صورتیں | انیس احمد فلاحی | ۳ |
| ○ مقالات | | |
| ڈبی کا اسلام کی جانب سفر | محمد سونکل فلاحی | ۲ |
| اسلامیات کا یہودی پروفیسر | احمد الدین مارہروی | ۱۰ |
| ○ بحث ونظر | | |
| عرب اسرائیل کشمکش، بنیادی اسباب | اشرف شعبان | ۲۲ |
| (۱) | ترجمہ: عبدالرحمن فلاحی | |
| بچوں کے ساتھ نبی ﷺ کا سلوک | فلک شیر فلاحی | ۳۲ |
| فن تخریج اور اس کے قواعد (۲) | ڈاکٹر محمود طحان | ۳۸ |
| ○ تعارف کتب | | |
| اسلامی مصادر کا تعارف (۳) | ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان | ۴۳ |
| ○ شبہات حول السنۃ | | |
| فتنۂ انکار حدیث (۲) | انیس احمد فلاحی | ۵۰ |
| ○ مذاہب عالم | | |
| عیسوی شریعت کے عائلی قوانین | ادارہ | ۵۳ |
| توریت کا تعارف (۱) | ابوالقاسم فلاحی | ۵۶ |
| ○ جامعہ کے لیل ونہار | | |
| امتحانات | ادارہ | ۵۹ |
| تعطیل کلاں اور نئے تعلیمی سال کا آغاز | | |
| امریکی کونسلر کی جامعہ تشریف آوری | | |
| اظہار تعزیت | | |
| کوشش قرارداد | | |
| بہی خواہان جامعہ کی خدمت میں | ناظم جامعہ | ۶۲ |
| اعلان عام | | ۶۳ |




اداریہ

# رمضان کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کی صورتیں

انیس احمد مدنی

لیجئے عظمتوں، رحمتوں اور برکتوں کا وہ حیات آفریں اور سعادت افروز مہینہ پھر آ گیا جس کے دن انسانیت کے شعور کو پختگی اور توانائی عطا کرتے ہیں۔ جس کی راتیں دلوں میں عبدیت و نیاز مندی کی شمع سوزاں جلاتی ہیں۔ جس کا ہر لمحہ اللہ کی رحمت و اجالا لیکر آتا ہے اور بندے کی محرومیوں اور نامرادیوں کی سیاہی کا ازالہ کرکے اس کو ربانی الطاف و عنایات کا گہوارہ عطا کرتا ہے۔

کل بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے جس دار رحمت سے دور جا پڑا تھا آج اس دور رحمت کا مالک اسے خود صدا دیتا ہے کہ آ تمہاری محرومیوں، مظلومیوں اور مجبوریوں کی شام کلفت کو کامیابیوں اور شادکامیوں کی صبح خنداں سے بدل دوں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا!
"رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس کا پہلا عشرہ مومن کے لئے رحمت کا پیغام لیکر آتا ہے تو دوسرا عشرہ گناہوں کی مغفرت کا سامان اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا پروانہ لیکر۔"

اس مہینہ کی برکت کا یہ پہلو کتنا دلنواز ہے کہ اس میں امت کو پانچ امتیازات و انعامات سے نوازا گیا۔

روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے بہتر قرار پائی۔

سرکش جنوں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔

رمضان کی آخری رات اللہ تعالیٰ مغفرت کا خصوصی اہتمام فرماتا ہے۔

رمضان کے نفل کام بھی دوسرے مہینوں کے فرض کام کے برابر قرار پائے۔

ملائکہ صبح سے افطار تک روزہ دار کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

ماہِ رمضان کی ان برکتوں اور لطافتوں سے استفادہ اور خدا کی بخشش اور مغفرت کا حق دار انسان اسی وقت بن سکتا ہے جب وہ درج ذیل امور کا پاس و لحاظ رکھے۔

۱: روزے کی اصل روح کی حفاظت کرے۔ اعضاء و جوارح کو محرمات کے ارتکاب سے بچائے۔ دھوکہ، ظلم، ناپ تول میں کمی اور موسیقی سے بچے، آنکھ، کان، ناک اور زبان کی شدید نگرانی کرے اور انہیں جھوٹ، غیبت اور چغلخوری سے محفوظ رکھے۔ مشہور حدیث ہے!

"من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ"

روزہ رکھنے کے باوجود بھی اگر کوئی جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا نہ چھوڑے تو اللہ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔

۲: ذکر و عبادت اور قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کے ساتھ ساتھ توبہ و استغفار کرے۔ اللہ تعالیٰ سے جنت کے حصول اور جہنم سے محفوظ رکھنے کی دعا مانگے۔ اور خصوصاً افطار کے وقت کہ یہ دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے۔

۳: تراویح اور تہجد کا اہتمام کرے۔ تراویح میں پورے قرآن مجید کو سننے کا ضرور التزام کرے۔ آپ ﷺ رمضان میں پورا قرآن جبرئیل امین کو سنایا کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت اسے عذاب قبر سے بچائے گی اور خدا کی بارگاہ میں اس کی شفاعت کرے گی۔

۴: روزہ داروں کو افطار کرائے کہ افطار کرانے کا وہی ثواب ہے جو روزہ رکھنے کا۔

۵: روزوں کی سنتوں کا اہتمام کرے۔ یہودیوں کی مخالفت اور سنت کی پیروی کی خاطر غروب آفتاب کے مابعد افطار اور سحری بالکل آخری وقت میں کرے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ صحابہؓ کرام تہجد سے فراغت کے بعد اپنے خادموں کو جلدی سے سحری لانے کا حکم دیتے اس اندیشے سے کہ کہیں فجر ثانی طلوع نہ ہو جائے"۔ افطار کے وقت یہ مسنون دعا پڑھنا ہرگز نہ بھولے۔ "اللھم لک صمتُ وعلی رزقک افطرتُ"۔ افطار کے بعد یہ دعا پڑھے!

"ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ تعالیٰ"



۶: فقراء و مساکین کی اعانت و مدد کرے۔ نبی اکرم ﷺ کی جود و سخاوت کی رفتار ماہ رمضان میں تیز رو ہواؤں سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی۔ فقراء کی اعانت اسے رحمت خداوندی کا حقدار بنائے گی اور اس کے غضب کو ٹھنڈا کرے گی۔ مشہور حدیث ہے!

"اتقوا النار ولو بشق تمرۃ"

جہنم کی آگ سے بچنے کی کوشش کرو، اور اس کے لئے خوب صدقہ کرو۔ اگر تمہارے پاس کھجور کی صرف نصف گٹھلی ہو تو اسے بھی صدقہ کر کے جہنم کے عذاب سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

۷: نابالغ اور چھوٹے بچوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے تاکہ وہ اس کے عادی بن سکیں۔ نیز ان کے روزہ رکھنے کا ثواب بھی آپ کو حاصل ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ رمضان المبارک کی لطافتوں اور اس کی رحمتوں سے ہر مومن کو فیضیاب ہونے کی توفیق بخشے۔

☆☆☆

☆

# عراق پر
# امریکی یلغار کی حقیقت

''مبصرین کا خیال ہے کہ عراق پر یلغار کا اصل مقصد اسرائیل کو فائدہ پہنچانا، اور عراق کی دولت پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کو ذلیل و خوار کرنا اور وسیع تر اسرائیل کا قیام ہے''

مقالات

# ڈیبی کا اسلام کی جانب سفر

# Dabby's Journey to Islam

مترجم: محمد سہیل فلاحی
ایم۔ اے۔ انگلش

مندرجہ ذیل کہانی اسکاٹ لینڈ کے مقام گلاسگو کی رہنے والی ایک خاتون کی ہے جس نے بڑے غور و فکر اور مذہب پر وسیع مطالعہ کے بعد اسلام قبول کیا، اللہ کے نور نے اس کے دل و دماغ کو امن و سکون سے بھر دیا اور اس نے پوری زندگی کو اسلام کی داعیہ کی حیثیت سے وقف کر دیا۔

ڈیبی راجر خاندان کے اعتبار سے ایک بنیاد پرست گھرانے میں پیدا ہوئی اور اس نے عیسائی مذہب پر اس قدر کتاب کا مطالعہ کیا کہ اس کے دوستوں کا عام خیال یہ تھا کہ وہ ایک راہبہ ہو جائے گی جو اپنی پوری زندگی عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی خدمت کرتے ہوئے گزار دے گی۔

ڈیبی بڑے خوشی اور فخر سے بتاتی ہے کہ اس نے اسلام کس طرح قبول کیا وہ اللہ کا شکر ادا کرتی ہیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھا اور سچا راستہ دکھایا وہ کہتی ہیں کہ جب تک اسلام کی روشنی اس تک نہیں پہونچی وہ بالکل تاریکی میں زندگی گزار رہی تھی۔

اسلام نے اس کی پوری شخصیت اور سوچ کو ہی بدل دیا اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے اپنے کمرے سے عیسیٰ مسیح اور مقدس مریم علیہا السلام کی تصویریں ہٹا دی اور ان کی جگہ قرآنی آیات اور مکہ معظمہ وغیرہ کی تصویریں لگا دیں اور اپنے بستر کے پاس الارم والی گھڑی رکھ کر سونے لگی تاکہ وقت سے نماز ادا کر سکیں اسلام کے تئیں اس کی محبت نے اس کو علم و حکمت جیسی نعمت سے نواز دیا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور آج اس کے خاندان کے اور دوسرے خاندانوں تقریباً ۳۰ عورتوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

راجر خاندان اپنے سخت اور جنونی عقیدے کی وجہ سے جانا جاتا تھا اس طرح سے کہ یہ



لوگ چرچ میں ان لکچرس میں برابر شریک ہوتے تھے جن کو ہم "نجات دہندہ کی فوج" The Army of salvation کہتے ہیں اور جس کے رکن بڑے ہی سخت اور جنونی نظریات کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔ ڈیبی کا ایک دوست ان کے بارے میں کچھ اس طرح بتاتا ہے کہ جب ڈیبی کے دوست جارج مائیکل جیسے مغنی کی تصویریں اس کے پاس تحفتاً بھیجتے تھے تو یہ بڑے شوق سے ان تصویروں کو عیسیٰ مسیح علیہ اسلام کی تصویروں کے ساتھ اپنے کمرے میں سجاتی تھی اور جب ان کے دوست موسیقی یا گانے سنتے تھے تو ڈیبی چرچ میں پڑھی جانے والی دعا اور تقاریر سنتی تھی۔

بہت زیادہ وسیع اور گہرے مطالعہ کے بعد ڈیبی کو یہ محسوس ہوا کہ عیسائیت کے اندر بے پناہ کمی پائی جاتی ہے، اس کے ذہن میں بہت سارے ایسے سوالات تھے جن کا جواب اس مذہب میں نہیں تھا اور اسی وجہ سے وہ اپنے عقیدہ کے تعلق سے بہت زیادہ غیر مطمئن تھی اس کا ماننا تھا کہ عبادت کے ساتھ ساتھ بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کا کرنا ایک انسان کے لئے بہت ضروری ہے جب ڈیبی ۱۰ سال کی تھی تو محمد بھٹو نام کا ایک شخص اکثر اس دوکان پر آیا کرتا تھا جو دوکان اس کے خاندان والے چلایا کرتے تھے محمد جب نماز کا وقت ہو جاتا تو اسی دوکان ہی میں نماز ادا کر لیا کرتا تھا اور ڈیبی اس شخص کو بہت زیادہ انہماک اور خاکساری سے عبادت کرتا ہوا دیکھتی رہتی تھی۔ قبل اس کے کہ ڈیبی محمد سے سوال کرتی اس تعلق سے اس نے خود ہی ایک روز اس سے بتایا کہ وہ ایک مسلمان ہے اور اس کا مذہب وقت پر نماز اور عبادت کی تاکید کرتا ہے، پھر ڈیبی نے اس سے اسلام کے متعلق سوالات کی بوچھار کر دی اور وہ اس کو درمیان میں وقفے وقفے پر سمجھاتا تھا کہ اسلام ایک عقیدہ اور طریقۂ زندگی کا نام ہے۔

ڈیبی کو یاد ہے کہ اس دن سے پہلی مرتبہ اسلام کے سلسلے میں اس نے غور و فکر شروع کیا اور اسلام سے متعلق متعدد کتابوں کا مطالعہ اور چھان بین شروع کر دی، اور جب وہ ۱۷ سال کی ہوئی تو اس نے باقاعدہ قرآن کے انگریزی ترجمہ اور تشریح کا مطالعہ شروع کر دیا۔ بقول ڈیبی کے "اس وقت سے میں نے اسلام کا خوب خوب مطالعہ کیا اور اس مطالعہ نے میرے احساسات کو بالکل بدل دیا اور میری زندگی کا مستقبل متعین کر دیا"۔

ڈیبی کا مزید کہنا ہے کہ اس نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ اس وقت کیا جب وہ ۲۶ سال کی تھی اور ان جذبات کو بیان کرنا بہت مشکل ہے جب اس نے یہ اعلان کیا کہ اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں کلمۂ توحید ادا کرنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو ایک ذمہ دار شخص محسوس کرنے لگی یعنی اب قول و فعل، طور طریقہ اور عبادت میں ایک مخلص اور سچا مومن ثابت کرنا ہے اس لئے کہ کوئی بھی آدمی جو اسلام قبول کرتا ہے گویا وہ اللہ سے ایک عہد باندھتا ہے کہ اس کی زندگی اور موت سب اللہ کی خاطر ہے اس کے بعد اس نے اپنا اسلامی نام باقاعدہ طور پر عائشہ رکھا۔

اس کے بعد عائشہ نے محمد بھٹو سے جو ۳۲ سال کے تھے باقاعدہ شادی کرلی اور ۲۴ سال کے ایک شخص سے شادی کوئی آسان بات نہ تھی اس لئے کہ اس کو اپنے خوابوں کی تکمیل میں بہت سارے مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، خاص طور سے محمد کے خاندان والوں کو یہ شادی بالکل پسند نہیں تھی اس لئے کہ ان کو کچھ اندیشے تھے اس بات پر کہ ان کے بچے نے ایک غیر ملکی لڑکی سے شادی کی ہے جو اگرچہ ایک مسلم ہے لیکن ان کے خاندان کے لئے یہ ایک بے عزتی کی بات تھی، تمام تر اعتراضات کے باوجود محمد اور عائشہ کی شادی ہوئی اور نکاح کی رسم گلاسگو کی ایک مسجد میں ادا کی گئی۔ محمد کے خاندان کے سبھی لوگ سوائے اس کے والد کے نکاح میں شریک ہوئے۔

عائشہ محمد بھٹو کے ساتھ بہت خوش تھی خاص طور سے اس بات سے کہ محمد کی والدہ بہت زیادہ با اخلاق اور سلجھی ہوئی خاتون ہیں۔ انھوں نے اس کو اپنی بیٹی کی حیثیت سے اپنایا اور ڈھیر ساری محبت اور اپنائیت نچھاور کی عائشہ مزید یاد کرتی ہیں کہ شادی کے وقت اس کے والدین بھی وہاں موجود تھے وہ خوش تھے اس لئے کہ ان کی بچی اس شادی سے خوش تھی اور انھوں نے اس کو ازدواجی زندگی میں کامیابی کی دعائیں دیں۔ وہ بہت زیادہ حیرت زدہ تھے اس اسلامی لباس کو دیکھ کر کے جو ان کی بیٹی شادی کے وقت پہنے ہوئے تھی اور اسی طرح وہ شاندار قسم کے کپڑے جو دوسری مسلم خواتین اس وقت زیب تن کئے ہوئے تھیں۔ کچھ سالوں بعد عائشہ کے والدین اور اس کی بہنیں سوائے ایک کو چھوڑ کر کے سب نے اسلام قبول کرلیا۔ فی الحال عائشہ اپنے طور پر بھرپور کوشش کررہی ہے کہ وہ اپنی بہن کو سمجھائے اور اس کو بھی دوسرے لوگوں کی طرح سے اسلام کے دائرے میں لے آئے۔



عائشہ مزید بیان کرتی ہے کہ اس کے والد اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے تاہم وہ اور اس کی ماں برابر ان کو اسلامی تعلیمات اور اصول سمجھاتی رہیں۔ ایک دن جب وہ تمام لوگ گھر میں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اس کے والد نے ان الفاظ کے بارے میں کچھ پوچھا جو ایک شخص مسلمان ہوتے وقت ادا کرتا ہے، عائشہ اور اس کی ماں ان کے یہ الفاظ سن کر بہت خوش ہوئیں بالآخر خدا کی رحمت جوش میں آئی اور وہ بھی دیگر افراد خانہ کی طرح حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

عائشہ بطور داعیہ لوگوں کو اسلام کی جانب دعوت دینے کا کام جاری رکھے ہوئے ہے وہ اب باقاعدہ عورتوں کے درمیان اسلامی تعلیمات پر لکچر دیتی ہے اور بہت ساری عورتوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے میں اور مسلم بنانے میں کامیاب بھی ہوتی ہے۔ یہ قارئین کے لئے یقیناً بڑے حیرت کی بات ہوگی کہ ڈاکٹر ٹروڈی Dr. Trudy جو کہ گلاسکو یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں چھ مہینے تک مسلسل اسلامی تعلیمات پر عائشہ کے لکچرس سنتے رہے۔ اس نے بتایا کہ شروع میں وہ اسلامی تعلیمات کے تعلق سے صرف تحقیق تک محدود تھی اس لئے کہ وہ ایک کیتھولک تھی تاہم بعد میں اس نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے متعلق اس نے اپنا مطالعہ تندہی سے جاری رکھا، اس نے مزید واضح کیا کہ عیسائیت تضاد سے بھری ہوئی ہے اور انسانی عقل و شعور کے خلاف اس کی تعلیمات ہیں، اس لکچر میں بہت ساری ایسی عورتیں شریک ہوتی ہیں جو اسلام کے بارے میں جاننا چاہتی تھیں۔

عائشہ کے اب پانچ بچے ہیں جن کے بارے میں اس کی خواہش ہے کہ یہ سب کے سب اسلام کے داعی بنیں۔ اس کے نزدیک اسلام انسانیت کے لئے دینِ فطرت ہے۔ یہ ایسا مذہب ہے جو سماج میں امن، تحفظ اور انصاف کا ضامن ہے۔ عائشہ کو یقین ہے کہ یورپ جلد ہی دنیا میں ایک ایسا براعظم ثابت ہوگا جہاں سے اسلامی انصاف اور سچائی کے پرچم لہرائیں گے۔ اس لئے کہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس کا تشدد اور جنونیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆

مقالات

# فاعتبروا یا اولی الابصار

## اسلامیات کا یہودی پروفیسر

پروفیسر احمد الدین مارہروی

بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ برصغیر میں علی گڑھ سے قبل کلکتہ یونیورسٹی نے اپنے یہاں اسلامیات کی تعلیم شروع کرنے کا اہتمام کیا اور گورنمنٹ نے اس کے معلم کی تنخواہ پانچ ہزار ماہانہ مقرر کی جب کہ بالعموم اس عہدہ کا مشاہرہ ڈیڑھ ہزار ہوا کرتا تھا۔

۱۹۳۵ء میں اسلامیہ کالج اٹاوہ کا ایک وفد جو ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر مولوی بشیر الدین ایل ایل ڈی بانی اسلامیہ کالج اٹاوہ، مولوی طفیل احمد ایڈیٹر رسالہ "سود مند" اور مصنف "مسلمانوں کا روشن مستقبل" اور راقم الحروف پر مشتمل تھا، جب کلکتہ پہونچا تو ہم نے عمائدین شہر سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ انہی میں کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر، حسین شہید سہروردی وزیر اعظم پاکستان کے چچا، سر حسان سہروردی بھی تھے۔ اس وقت تک اس معلم کا انتخاب عمل میں آ چکا تھا اور اسلامیات کی تعلیم شروع ہوئے تقریباً ایک سال گذر گیا تھا۔ میں نے جب سر حسان سے درخواست کی کہ وہ مجھے اس پروفیسر سے، جس کا نام مجھے ڈاکٹر زکریا معلوم تھا، متعارف کرا دیں تو سب سے پہلے تو انہوں نے مجھے اس نام پر ٹوکا اور فرمایا وہ ڈاکٹر زکریا نہیں بلکہ زکراہ ہے۔ اور نسلاً و مذہباً ایک یہودی ہے۔

اس اطلاع سے جیسی سراسیمگی میرے اوپر طاری ہوئی اس کا اندازہ موجودہ دور کی ذہنیت کے لوگ بمشکل ہی کر سکیں گے۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا ڈاکٹر صاحب آپ نے یہ کیا غضب کیا۔ فرمایا آپ تو یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر اور لیکچرر رہ چکے ہیں۔ اور بخوبی واقف ہیں کہ اس پایہ کے عالم کا تقرر کس طرح عمل میں آتا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ فرانس، برطانیہ، جرمنی، مصر اور دوسرے ممالک میں اس آسامی کو مشتہر کر کے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں، پھر اس مضمون کے تین



جید علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جس کے فیصلہ پر تقرر عمل میں آتا ہے۔ اس معاملہ میں یونیورسٹی کی عاملہ نے سید سلیمان ندوی، مولانا ابوبکر صدر شعبہ عربی علی گڑھ اور علامہ سعد اللہ پرنسپل عریبک کالج کو نامزد کیا اور ان تینوں کی متفقہ رائے یہی تھی کہ تمام امیدواروں میں کوئی بھی علوم اسلامیہ میں اس سے بڑھ کر ماہر نظر نہیں آیا۔ مجھے خود اس تقرری پر سخت صدمہ اور ندامت ہے، لیکن میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اس سے ضرور ملیں، اسے پرکھیں اور اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔

چنانچہ میں انہی کی وساطت سے اس یہودی عالم تک پہنچا اور دو طویل نشستوں میں اس کی ذات، خیالات اور تبحر علمی کے جو نقوش ذہن پر مرتسم ہوئے وہ آج تک قائم ہیں۔ بلند قامت، سرخ و سفید رنگت، فرنچ کٹ داڑھی، چھوٹے چھوٹے قدرے گھنگھرالے بال، ستواں ناک جس پر سنہری فریم کا نازک سا چشمہ، ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ جس پر عربی وضع کا جبہ، یہ تھی اس کی پہلی تصویر جو میری نظر میں کھپ کر رہ گئی۔

ہم دونوں کے کمرہ میں داخل ہوتے ہی اس نے تعظیماً کھڑے ہو کر خالص عربی لہجہ میں السلام علیکم کہا اور انہی کی طرح مصافحہ کیا۔ میرا تعارف ہونے پر بے ساختہ اس کی زبان سے مرحبا نکلا، جسے اس نے دو مرتبہ دہرایا اور ہمیں پھر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی مؤدب بیٹھ گیا۔ ہمارے وفد کی آمد کی اطلاع اسے اخبارات کے ذریعہ ہو چکی تھی۔ گفتگو کا آغاز اسلامیہ کالج سے ہوا۔ میں نے جب نادار طلبہ کے واسطے ایک دارالاقامہ قائم کرنے کا ذکر کیا تو بے حد متاثر ہوا اور کہنے لگا ہماری قوم کو بھی اس کی سخت ضرورت ہے، لیکن یہ سعادت مسلمانوں ہی کو نصیب ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد کو ہی نہیں، مذہبی فریضہ سمجھ کر کرتے رہے ہیں۔

ہم نے کہا کہ ہمارے علم میں تو یہی تھا کہ یہودی دنیا کی سب سے مالدار قوم ہے۔ تو ہنس کر کہنے لگا کہ اس قسم کے بہت سے افسانے آپ پڑھے اور سنے ہوں گے، لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موسیٰ کی قوم میں اگر ایک نہیں ہزاروں قارون ہوتے تو اس سے بیچاری اسرائیل کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا؟ ہمارے یہاں غریب اور امیر کا فرق دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ متوسطین کی تعداد بہت ہی کم ہے، حالانکہ معاشرتی اعتبار سے یہی طبقہ ریڑھ کی ہڈی کہلاتا ہے۔ چند کروڑ پتی دولت کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں۔ اور ان کا دماغ "زر و زور" کے چکر میں الجھا ہوا ہے۔ انہیں قوم

کے خداؤں کی بنیادی ضروریات تک کو سمجھنے کی فرصت نہیں۔ پھر ہنس کر کہنے لگا کہ یہ صورت حال نہ ہوتی تو ہم میں کارل مارکس (بانی اشتراکیت) پیدا نہ ہوتا۔

گفتگو جب اس نہج پر چل پڑی تو اس کا رخ خود بخود خاندانی حالات کی طرف مڑ گیا۔ کہنے لگا ہماری قوم عرصہ دراز سے جرمنی میں آباد ہے، لیکن یہودیوں کو وہاں دوسرے نہیں بلکہ تیسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے اور ہمارے خلاف نفرت کے جذبات کچھ زیادہ ہی زوردار ہیں۔ اسکولوں میں طلبہ کا داخلہ دشوار ہوتا ہے۔ سرکاری طور پر تو کسی قسم کی قیود عائد نہیں لیکن عملاً کئی طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ البتہ ایک بات دیکھنے میں آئی ہے کہ جو خوش قسمت طالب علم ان مراحل کو خوش اسلوبی سے طے کر لیتے ہیں وہ جرمن طلبہ کے مقابلے میں زیادہ محنتی اور ذہین ثابت ہوتے ہیں اور امتحانات میں نمایاں کارکردگی حاصل کرتے ہیں۔

میرے والد موم بتیـــوں کے تاجر تھے، ہم چار بہن بھائی تھے، گزر اوقات متوسط طور پر ہوتی تھی لیکن والد کی دلی خواہش تھی کہ دونوں بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پیسہ پیدا کریں اور ساتھ ہی قومی خدمات انجام دیں۔ اسکولی زندگی میں مجھے بہت انعامات ملتے رہے لیکن جب میونخ میں داخلہ کا وقت آیا تو یونیورسٹی کا ہر دروازہ بند پایا۔ ابا جان نے والدہ کو اس پر راضی کر لیا کہ تنگی ترشی سے گزر کریں گے مگر زکریا کو حصول تعلیم کی غرض سے بیروت بھیج دیں گے۔ چنانچہ یہی مقام ہے جہاں سے میری موجودہ زندگی کا آغاز ہوا۔ وہاں میرے ہم جماعت، ہم صحبت، ہم مشرب بجائے عیسائیوں کے مسلمان تھے۔ ہمارے مقابلے میں اخلاقی حالت ان کی بھی گری ہوئی تھی لیکن اتنی نہیں جتنی عیسائی طلبہ کی تھی۔ وہ تو انسانیت ہی سے گئے گزرے تھے، کوئی ظاہری اور باطنی عیب ایسا نہ تھا جو ان میں سرایت نہ کر چکا ہو۔ برخلاف اس کے ہمارا اور اہل اسلام کا کھانا پینا بھی ایک تھا اور عقائد کے لحاظ سے بھی بیچ میں ایک گونہ ہم آہنگی تھی۔ ان میں سے بعض قرآن پڑھتے تھے جس کو میں سمجھتا نہ تھا لیکن اس کا لہجہ اور ترنم کانوں کو بھلا معلوم ہوتا تھا۔

چند روز کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ معلوم تو کروں کہ ان کی کتاب میں کیا لکھا ہے۔ عربی کی کچھ شدبد ہو چلی تھی مگر بہت سی باتیں سمجھ میں نہ آتی تھیں، ایک پروفیسر قریب ہی رہتے تھے ان سے جا کر پوچھ لیتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ احساس ہونے لگا کہ اس میں وہی کچھ لکھا ہے جو ہمارے صحیفہ مقدس



میں موجود ہے، بلکہ بعض امور میں قرآن زیادہ واضح اور بہتر ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک وقت دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ تورات کے مقابلے میں یہ کتاب فضولیات سے مبرا ہے۔ اسی زمانہ میں اخبارات سے معلوم ہوا کہ ایک ہندوستانی مبلغ خواجہ کمال الدین اسلام پر لیکچر دینے یونیورسٹی آ رہے ہیں۔ علاوہ مسلمانوں کے میں صرف تنہا غیر مسلم تھا۔ جو ان کا لیکچر سننے وہاں پہنچا، کیونکہ عیسائی ان سے بہت خائف تھے۔ چرچ کی طرف سے ممانعت کر دی گئی تھی کہ اس جلسہ میں کوئی شریک نہ ہو۔ جو باتیں اس مبلغ نے بتائیں وہ اتنی واضح تھیں کہ ان سے انکار ناممکن تھا اور سب کا خلاصہ یہ تھا کہ حقانیت اگر دنیا میں کہیں موجود ہے تو اس کا حامل صرف قرآن ہے اس کے بعد میں نے گہری نظر سے اس کا مطالعہ شروع کر دیا اور جہاں کوئی بات تشریح طلب نظر آئی تو تفاسیر پر نظر ڈالی۔ مفسرین نے اکثر جگہ احادیث کا حوالہ دیا تھا، ان کو دیکھا مگر وہاں بدقسمتی سے ایسے تضاد نظر آئے کہ مجھے ان میں سے بعض کی اصلیت پر شبہ ہونے لگا۔ بہرحال مطالعہ جاری رہا۔ دو ایک مضامین بھی لکھے جن سے ناموری بھی ہوئی اور کچھ پیسہ بھی ہاتھ آنے لگا اب میں نے عربی کو بطور زبان سیکھنا شروع کیا اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد ہی میرے اوپر قرآن کے جوہر کھلے۔ آج کل کا مسلمان تو اسے پڑھتا ہی نہیں، اور پڑھتا ہے تو سمجھتا ہی نہیں اور سمجھ بھی لیتا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتا مگر میری اپنی رائے ہے کہ اگر دنیا اسلامی فلسفہ کو اپنا لے تو ہر قسم کے معاشی اور اقتصادی مصائب دور ہو سکتے ہیں۔

یہ تمام گفتگو وہ یہودی اس جوش و خروش سے کر رہا تھا کہ اس میں خلوص اور عقیدت کی جھلک صاف نظر آتی تھی اور مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ اس کے باوجود اس نے اسلام کا دامن اب تک کیوں نہیں تھاما۔ لیکن یہ وقت اس سوال کا نہ تھا۔ اس لئے ہم نے اسے کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھا اور بیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اس دوران والد صاحب کا انتقال ہو گیا والدہ نے کام بند کر کے ملازمت اختیار کر لی۔ بھائی بھی کسی دھندے میں لگ گیا۔ میں اب آزاد تھا۔ کچھ عرصے کے واسطے مصر چلا گیا۔ مکہ و مدینہ جانے کی اجازت نہ تھی اس لئے ان کی زیارت کا اشتیاق دل میں لئے دمشق اور بغداد گیا اور وہاں کے علماء اور فضلاء سے ملاقات کی۔ رفتہ رفتہ اسلامی فقہ پر غور کرنے کا موقع ملا تو اس سے دلچسپی پیدا ہوئی کیونکہ یہودیوں اور مسلمانوں کا اختلاف یہیں آ کر کھلتا ہے۔ اور اس کا مطالعہ نہ صرف پر از معلومات بلکہ دلچسپ بھی ہے۔ میں نے اس پر مختلف مضامین لکھے

ابتدا میں اسی فن پر جرمن زبان میں ایک مقالہ تحریر کیا جسے برلن یونیورسٹی نے اپنے معیار پر پرکھا اور مجھے زبانی امتحان کے واسطے طلب کیا۔ انہوں نے مجھ سے جو سوالات کئے ان کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے کسی چابک دست اور آزمودہ کار غواص کی ضرورت تھی لیکن میں نے ان متعصب عیسائیوں کو ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ انہیں مزید سوالات کی جرأت نہ ہوئی اور مجھے ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ترین ڈگری دینی پڑی۔ مگر ملازمت کے واسطے مجھے پھر غیروں کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہاں آئے مجھے زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ میرے طالب علم ہر طرح مطمئن ہیں۔ لیکن بعض متعصب حلقوں سے میرے خلاف کچھ نہ کچھ زہر افشانی ہوتی رہتی ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ بعض مذہبی مسائل پر اس یہودی عالم کے خیالات معلوم کروں لیکن جب میں نے دیکھا کہ اس کی نظر بار بار گھڑی کی طرف اٹھ رہی ہے تو وعدۂ فردا لے کر اٹھ آنے میں ہی مصلحت نظر آئی۔ اس نے بھی معذرت کی کہ کلاس لینے کا وقت آ گیا ہے۔ آئندہ کسی شام کو گھر آنے کی تکلیف گوارا کریں اور چائے کی پیالی پر بات چیت ہو تو زیادہ لطف آئے گا۔

(۲)

جوانی کا جوش تھا کون زیادہ انتظار کرتا۔ اگلے دن پانچ بجے شام کوٹھی پر جا پہنچا۔ سادہ سا مکان، معمولی سا فرنیچر، لیکن ڈرائنگ روم ایرانی قالینوں، گاؤ تکیوں اور جھاڑ فانوس سے آراستہ اعلیٰ مشرقی تہذیب کا نمونہ تھا۔ پروفیسر سفید قمیص اور خاکی نیکر پہنے کوئی عربی رسالہ پڑھ رہا تھا۔ ہاتھ میں فنجان تھا جس کی چسکیاں بھی لے رہا تھا۔ ملازم کوئی تھا نہیں جو میرے آنے کی اطلاع کرتا، نہ دروازے پر پردہ تھا کہ حجاب ہوتا، بے تکلف اندر پہنچ گیا۔ تذبذب ہوا کہ سلام کس طرح کیا جائے۔ آخر یہی مناسب سمجھا کہ اسلامی طریقے پر السلام علیکم کہہ کر مخاطب کروں۔ اس پر کچھ ایسی محویت طاری تھی کہ میری آواز سن کر چونک پڑا اور مرحبا، مرحبا کی رٹ لگا دی۔ مجھے بٹھا کر اندر گیا اور ایک تھالی میں چائے دانی اور فنجان لے کر آ گیا۔ گفتگو شروع ہوئی تو کہنے لگا کہ میں نے ہندوستان آ کر دیکھا ہے کہ مسلمان طلبہ میں مذہبی معلومات کی بے انتہا کمی ہے، لیکن یہاں کے علماء ان کو سمجھانے میں ناکام ہیں۔ کچھ یہی کیفیت آپ کی بھی معلوم ہوتی ہے۔



میں نے کہا میرا زاویہ نظر قدرے مختلف ہے، میں تو اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے علم میں جو تضاد ہے اس کی وجوہات معلوم کروں۔ مثلاً آپ نے قرآن میں پڑھا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام سے بڑی سختی کے ساتھ کہا ہے۔ کہ اگر سود کا کاروبار بند نہ کرو گے تو خدا اور اس کے رسول کا تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اور آپ کی قوم مسلمہ طور پر سود خوار ہے۔ اگر آپ کا اور ہمارا خدا ایک ہے تو وہ دو متضاد احکام کس طرح جاری کر سکتا ہے؟ ایک عام یہودی تو ہمارے خدا اور رسول اور قرآن کو تسلیم نہیں کرتا مگر آپ تو قرآن کی حقانیت کے قائل ہیں، پھر اس گتھی کو کس طرح سلجھائیں گے؟

کوئی اور عالم ہوتا تو میرے اس اعتراض پر ناراض نہیں تو جز بز ضرور ہوتا، مگر کیا مجال جو اس کی پیشانی پر شکن تک آئی ہو۔ مسکرا کر کہنے لگا آپ یہی کہنا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کے ہاں سود حلال ہے۔ تو معاف کیجئے گا خود آپ کی قوم میں کتنے مالدار ہیں جو سود در سود نہیں لیتے اور اس پر غضب یہ کہ اپنے خدا کو دھوکہ دینے کے واسطے اس کا نام بدل کر منافع رکھ چھوڑا ہے، کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ میں نے سود کو ناجائز قرار دیا ہے اور منافع کو حلال گردانا ہے۔ آپ کا قرآن ہی کہتا ہے کہ جب یہودیوں نے سبت کے معاملہ میں اس قسم کی دھوکہ بازی سے کام لیا اس گروہ کو بندر بنا دیا گیا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ کیا آپ کی مثال اس شخص کی سی نہیں ہے جو شیشے کے گھر میں بیٹھ کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا اور دوسروں پر خشت باری کرتا ہے! میں نے جب یہاں آ کر چھان بین کی تو یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ آپ کے نام نہاد علماء تک اپنی دولت میں اضافہ کے واسطے نہ صرف سود لیتے ہیں بلکہ اس خیال سے کہ قوم میں نکو بن جائیں، اس خود ساختہ منافع کو جائز اور حلال قرار دینے کے واسطے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارا جو وفد کلکتہ آیا ہوا تھا اس میں مولوی عقیل احمد صاحب بھی شامل تھے جنہوں نے سود کے جواز میں ایک رسالہ ’’سود مند‘‘ جاری کر رکھا تھا، جو مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو اس پر آمادہ کرتا تھا کہ اپنی معاشی حالت کو درست کرنے کے لئے سود یا منافع کی ایک ایک کوڑی تک وصول کریں۔ میری خوش قسمتی تھی کہ اسے اس کا علم نہ تھا ورنہ الٹی آنتیں گلے پڑ جاتیں۔

اپنی بات کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے وہ یہودی اپنے بحرِ فطانت سے دور کی کوڑی لایا۔ ہماری بے راہ روی کی مثال پیش کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ لوگوں کے پاس ایک جیتی جاگتی زندہ کتاب موجود ہے، لیکن جب آپ صرف تیرہ سو برس میں اس مخالف سمت میں چلنے لگے جس کی نشان دہی آپ ہی کے بقول قرآن یہودیوں کے بارے میں کر رہا ہے تو ہم نے جو ہزار ہا سال کی خود فراموشی اور ربیــوں (علماء یہود) کی کجروی اور گمراہی کے باعث جو روش اختیار کی اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ اگر آپ اس اسلام کو دیکھیں جس کی قرآن تعلیم دیتا ہے اور پھر اپنی قوم پر گہری نہیں، اچٹتی ہوئی نظر ڈالیں تو آپ بھی میری طرح اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ محمد ﷺ کے زمانے میں یہودیوں کی اخلاقی حالت اتنی گری ہوئی نہیں تھی جتنی کہ، معاف کیجئے آج آپ کی ہے۔ میں ایک معمولی سی مثال پیش کرتا ہوں۔ قرآن میں ایک سورۃ الحجرات ہے جس میں بعض معاشرتی خــرابیوں کو نمایاں کرنے کے واسطے کہا گیا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ۔ لیکن میرے پاس جو لوگ آتے ہیں ان میں شاذ ہی کوئی ایسا ہوگا جو کسی کی غیبت نہ کرے اور یہ تو آپ کو بھی علم ہوگا کہ آپ کے نام نہاد علماء اس صف میں کتنے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

میں گیا تو اس خیال سے تھا کہ اس سے کہوں گا کہ جب تم اسلام کی حقانیت کے اس درجہ قائل ہو تو آج تک جامۂ یہودیت کیوں پہنے ہوئے ہو؟ اسے اتار دو اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاؤ، لیکن کچھ عجب اتفاق ہوا کہ اس نے میرے کہے بغیر ہی اس مسئلہ کو چھیڑ دیا۔ کہنے لگا لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ میں کہتا ہوں کیا فائدہ؟ جارج برنارڈ شاہ میری طرف سے جواب دے چکا ہے کہ جب میں اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں تو دل بے اختیار چاہتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤں، لیکن جب خود مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو طبیعت برگشتہ ہو جاتی ہے۔ موسوی اور محمدی شریعتیں ایک ہی خدائے واحد کی وضع کردہ ہیں، جن میں جزوی اختلافات ہوں، مگر اصول دونوں کے یکساں ہیں۔ اگر دونوں اپنی اصل پر قائم رہتے تو جو اختلافات آج نظر آ رہے ہیں اتنے نمایاں نہ ہوتے۔ میں نے اکثر مذاہب بالخصوص عیسائیت کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام اور حقیقی یہودیت میں جتنی مماثلت پائی جاتی ہے وہ دنیا کے کسی دو مذاہب میں نہیں ملتی، لیکن معاف کیجئے گا اس وقت خدا کی ترازو میں ہم دونوں ہم پلہ ہیں اور دونوں ہی اصل سے بہت دور



جا پڑے ہیں، اس لئے میرے نزدیک مذہب کی تبدیلی کے معنی ہوں گے کہ کیچڑ سے نکل کر دلدل میں پھنس جاؤں۔

اس وقت تو یہ فقرہ میرے ذہن میں نہیں کھٹکا تھا لیکن بعد میں جب غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس کی یہودی ذہنیت اپنے مذہب کے مقابلے میں، خواہ وہ کتنا ہی کثیف ہو، اسلام کو ہیچ اور کم درجہ سمجھتی ہے۔ کیچڑ سے انسان نکل سکتا ہے لیکن دلدل میں پھنس کر کہیں کا نہیں رہتا اور بالآخر غرق ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس نے بڑی تفصیل سے وہ امور گنوانے شروع کئے جو دونوں مذاہب میں مشترک ہیں، مثلاً بڑے فخریہ طور پر بتایا کہ ذبیحہ اور ختنہ صرف ہمارے ہی مذاہب میں آج تک رائج ہیں۔ آسمانی کتب کے تصور اور تقدیس کا بھی یہی حال ہے، لیکن ہماری قوم بعض ایسی خصوصیات کی حامل ہے جو کسی دوسری کو حاصل نہیں، مثلاً حضرت اسحاق علیہ السلام کے زمانے سے جن کے فرزند حضرت یعقوب یا اسرائیل علیہ السلام تھے جس سے ہم اپنے کو منسوب کرتے ہیں، یہ نسل خدا تعالیٰ کی منظورِ نظر رہی۔ اس میں بگاڑ بھی پیدا ہوئے، بغاوتیں بھی ہوئیں، دشمنوں نے ہمارے مقدس مقامات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہم نے مصر اور بابل میں غلامی کا بدترین دور بھی دیکھا، لیکن ہر بار بارگاہِ ایزدی سے ہم کو مدد دی گئی اور رہنے کے واسطے ایسا سرسبز و شاداب وطن عطا ہوا جس کی قرآن تک تعریف کرتا ہے۔ ہدایت کے واسطے پے در پے صاحبِ معجزہ پیغمبر مبعوث ہوئے۔ کتابیں اور صحیفے بھی نازل ہوتے رہے۔ گمشدہ تورات دوبارہ عطا کی گئی اور ہمارے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد کو وہ عظمت عطا ہوئی کہ اہلِ اسلام بھی ابتداء اسے اپنا قبلہ تسلیم کرتے رہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام کے عرب کو دیکھئے تو بنجر ملک میں ایک بت خانہ بنا ہوا تھا اور پیغمبروں کی تعداد کو دیکھئے تو صرف دو۔

میں حضور پر نور ﷺ کی تعریف میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ میرے مافی الضمیر کو سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ میں حضور ﷺ کی عظمت کا دل و جان سے قائل ہوں اور اس حد تک معتقد ہوں کہ اگر آپ ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوتے تو میں آج بجائے ڈاکٹر زکریا کے محمد احمد ہوتا۔ آپ کے یہ دونوں نام معنویت کے لحاظ سے مجھے بے حد پسند ہیں اور صرف یہی نہیں میں آپ کو اسم با مسمیٰ سمجھتا

ہوں۔ آپ میں وہ تمام صفات یکجا تھیں جن کے مجتمع ہونے سے ایک انسان کامل فرشتہ بن جاتا ہے۔ آپ ان کی مدح میں شعر گاتے ہیں، ان کے اتباع میں داڑھیاں رکھتے اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتے ہیں، لیکن ان کے اخلاق، مروت، ہمدردی، رواداری اور ایثار جیسی اصلی صفات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ آپ کی عبادتیں اگر مخلصانہ بھی ہوں تو وہ اپنی ذات تک محدود ہیں۔ آپ کے علماء قومی اور اجتماعی زندگی سے علیحدہ ہو کر منبر و محراب کی زینت بنے بیٹھے ہیں اور لکھو کھے وعظ کہتے ہیں۔ رہ گئے عوام تو ان کے ہاں مذہب صرف رسوم کا نام رہ گیا ہے۔ اس پر مجھے علامہ اقبال کا وہ شعر یاد آیا۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے!

خود اس کے علمی خزانے میں بھی اس قسم کا ایک انمول موتی چھپا ہوا تھا۔ الماری میں سے ایک کتاب اٹھالایا جس کا نام اس کی پشت پر Islam on the Coss-road چھپا ہوا تھا۔ ایک جگہ پر نشانی رکھی تھی، وہ صفحہ کھول کر اس نے حافظ شیرازی کا یہ شعر پڑھا

گر مسلمانی ہمیں ست کہ حافظ دارد
وائے در گر پس امروز بود فردائے

"اگر مسلمانی اسی کا نام ہے جس کا حافظ دعوے دار ہے تو اس آج پر اگر کل ہوئی تو اس پر افسوس ہی کرنا پڑے گا۔"

ہم دونوں ہی کو احساس ہو رہا تھا کہ اس گفتگو سے بجز تلخی اور ناگواری کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے میں نے اس کا رخ یہودیت سے عیسائیت کی طرف پھیرا۔ اس نے بھی پہلو بدلا اور ایک خوش آئند مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا یہ موضوع بہت دلچسپ ہے، ان غریبوں کا تو سچ پوچھئے کوئی الوہی مذہب ہی نہیں۔ ہم تو خیر عیسیٰ کو پیغمبر ہی تسلیم نہیں کرتے، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے آنے سے قوم میں کچھ خانہ اندازی ہی واقع ہوئی، خود عیسائیوں سے بھی اس سوال کا جواب بن نہیں پڑتا کہ حضرت آدم جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے وہ تو خدا کے بیٹے نہ بن سکے اور یوسف نجار اور مریم کے صاحبزادے کس طرح فرزندِ خدا بن گئے؟ کس نے انہیں بیٹا بنایا؟ اس کی سند کہاں ہے؟ پھر اس بیٹے کو ہماری قوم نے سولی پر چڑھا دیا اور مقتدر باپ نے انگلی تک نہ اٹھائی۔ قرآن نے ان کے متعلق جو کچھ



بتایا ہے وہ تو سمجھ میں آتا ہے اور اس سے اس کی شان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، لیکن عیسائیوں کی منطق تو پادریوں کی عقل سے بھی ماورا ہے۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ انجیل جسے قرآن آسمانی صحیفہ تسلیم کرتا ہے، صفحۂ ہستی سے ایسی غائب ہوگئی کہ اس کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ اب جو چار کتابیں ہیں ان کی حیثیت آپ کی صحاح ستہ سے کچھ زیادہ نہیں کہ یسوع نے یہ کہا۔ جب سوال کیجئے کہ خدا نے کیا کہا تو جواب دیتے ہیں کہ خدا ہی تو ان کے منہ سے بول رہا ہے، مگر ہم اس کے مقابلے میں یہ دلیل لاتے ہیں کہ وہ بجائے ایک منہ کے چار منہ سے کیوں بولتا ہے؟ اب ان کا مذہب صرف حدیث مسیحی تک محدود ہے، اور معاف کیجئے گا آج آپ بھی اس معاملہ میں انہیں کے پیروکار ہیں، آپ نے قرآن کریم کو چوم چاٹ کر اور برکت کی نشانی بنا کر طاق پر رکھ دیا ہے اور حدیث کو جو ترجیح دی ہے وہ انہیں کی تقلید نظر آتی ہے۔ آپ کے علماء کے ہاں قرآن کی حیثیت کیا ہے اور اس کے مقابلے میں بخاری شریف کو کتنی فضیلت اور اہمیت حاصل ہے؟ جس طرح ہمارے ربی (علماء) عوام کو تورات کے احکام سے دور رکھنا چاہتے ہیں اسی طرح آپ کے مولوی صاحبان نے بھی آپ کو اصل شاہراہ سے ہٹا کر لوپ لائن کی طرح موڑ دیا ہے اور آپ اسی کو شاخِ نجات سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے ہاں اس رمز کو سمجھنے والے پہلے شاہ ولی اللہ گزرے جنہوں نے اپنے مدرسہ میں قرآن کی تعلیم شروع کی اور اس دور میں مولانا ابوالکلام آزاد ہیں، لیکن بظاہر دونوں کی آوازیں صدا بصحرا ثابت ہو رہی ہیں، کیونکہ عوام پر مولویوں کی گرفت زیادہ وسیع اور مضبوط نظر آتی ہے۔ ایک بات البتہ یقینی ہے کہ اگر دنیا پر کوئی ایسا وقت پڑا کہ اسے خدائی مذہب کے زیرِ سایہ ہی فلاح و بہبود نظر آئی تو یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے پاس آسمانی کتابیں موجود ہیں اور وہ ان کی طرف واپس آ سکتے ہیں۔ لیکن یہ قوم (عیسائی) تو اپنے ہاتھوں اپنا بیڑا غرق کر چکی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مسیح نے مصلوب ہو کر ان کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں انہیں خدا پرستی کی طرف لے جایا ہی نہیں جا سکتا۔

اس کے بعد میں نے حدیث کی اہمیت کا ذکر چھیڑا تو اس نے نہایت فراخ دلی سے اعتراف کیا کہ یہ مسلمانوں کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اور اس کی دوسری مثال صفحۂ ہستی پر موجود نہیں۔ محدثین کی محنت اور کاوش کی داد نہ دینا بہت بڑا بخل ہے۔ لیکن میں ساتھ ہی یہ بھی کہوں گا کہ آپ نے اس کو ضرورت سے زیادہ اونچی جگہ دے دی ہے۔ اور لوگ اسے قرآن سے بھی افضل سمجھنے لگے ہیں،

حالانکہ اس میں ایسے اختلافات بھی موجود ہیں کہ ایک ہی صحابی سے ایک موضوع پر متضاد حدیثیں مروی ہیں اور آپ اس تضاد کے باوجود انہیں ناقابلِ استرداد گردانتے ہیں۔ پھر آپ نے محدثین کے درجے مقرر کر رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف فرقوں کی حدیثیں جداگانہ ہیں جن میں بیّن فرق نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں یہی آتی ہے کہ آپ نے قرآن کا دامن چھوڑ کر رسول کی محبت میں خالق و مخلوق کے فرق کو بھلا دیا اور حدیث کو قرآن کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دے دی حالانکہ حدیث دراصل قرآن کی تفسیر ہے، جبکہ علوم و ہدایت کا سرچشمہ تو بہرحال قرآن ہے۔

دورانِ گفتگو ہم میں سے کسی کو بھی وقت کا احساس باقی نہ رہا تھا حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا اور کسی دور کی مسجد سے اذان کی صدا بلند ہونے لگی۔ یہودی عالم نے میری طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھا اور دریافت کیا کہ کیا آپ نماز پڑھتے ہیں؟ اثبات میں جواب سن کر پہلے تو وہ غسل خانہ میں گیا۔ پانی کا ٹب پہلے تو تین مرتبہ اچھی طرح دھویا اور کہنے لگا اب یہ آپ کی شریعت کے مطابق بالکل مطہر ہے، باطمینان وضو فرمایئے۔ سلیپر پہن کر باہر تشریف لایئے اور فریضۂ مغرب ادا کیجئے۔ باہر نکلا تو قبلہ رخ جاپانی جائے نماز بچھی ہوئی تھی۔ بولا کئی ماہ ہوئے اس خیال سے خریدی تھی کہ آپ میں سے جو میری ملاقات کو آئیں وہ اس پر صلوٰۃ پڑھیں لیکن آپ پہلے شخص ہیں جو اسے استعمال کر رہے ہیں۔

میں نماز پڑھتا رہا اور وہ بدستور اپنے رسالہ میں منہمک رہا۔ فارغ ہوا تو کہنے لگا۔ میں نے نماز کے فلسفہ پر غور کیا ہے اور اس پر جرمن رسالہ میں مضمون بھی لکھا ہے۔ اس میں اخلاقی، جسمانی، اور طبی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے لیکن اس کا اعلیٰ ترین پہلو وہ دماغی یکسوئی ہے جو انسان کو اپنے خالق سے منسلک کر دیتی ہے۔ ہندو سادھوؤں کا گیان، عیسائی تارکانِ دنیا کی ریاضت اور صوفیائے اسلام کا مراقبہ اس کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ رہ گئی رسمِ صلوٰۃ تو اسے آپ مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

وقت بہت ہو گیا تھا لیکن ابھی اسلامی فقہ پر اس کے خیالات معلوم کرنے باقی تھے۔ جس پر اس نے بڑی تحقیق کر کے ڈگری حاصل کی تھی۔ میرے سوال پر اس نے کہا کہ میری دانست میں اگر دنیا سے تمام علوم ناپید ہو جائیں اور صرف اسلامی فقہ باقی رہ جائے تو انسانی زندگی کو ہمہ گیر باقاعدہ اور



خوش آئند بنانے کے واسطے صرف یہی نسخہ کافی ہے۔ اس کے بعد اسے کہیں اور جانے اور نئے علوم کے ذخائر تلاش کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہوگی۔ کیا محنت ان بزرگوں نے کی ہے۔ کتنی دماغ سوزی اور موشگافی سے کام لیا ہے، زندگی کے کسی شعبہ کو بھی نہیں چھوڑا اور ہر چیز کو پکی کر کے رکھ دیا۔ ہمارے ہاں بھی یہودی فقہ ہے لیکن اس میں جانبداری ہے، تصنع ہے، بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اس میں ریاکاری کو بھی دخل ہے، لیکن آپ کے یہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں۔ رہ گئے عیسائی تو ان کے ہاں فقہ جیسی کوئی شے شروع سے ہے ہی نہیں اور جو ہے بھی تو وہ عوام کے لئے ناقابلِ قبول ہے۔

میں نے آئمہ فقہ کے باہمی اختلافات کا ذکر کیا تو کہنے لگا کہ انسانی دماغ کی صلاحیتیں اتھاہ ہیں اور ان میں اتنا تنوع ہے کہ دو حقیقی بھائی ایک ہی ماحول میں پرورش پاتے اور ایک ہی نہج کی پیدائش ہوتے ہیں، بالعموم ہم خیال نہیں ہوتے۔ ان سب نے اپنی صوابدید کے مطابق قرآن و حدیث کی روشنی میں تمام مسائل کا تجزیہ کیا۔ فرق یہ ہے کہ کسی نے اتقاء کو مقدم رکھ کر کچھ سختی سے کام لیا اور کسی نے "لااکراہ فی الدین" کے تحت مذہب کو سہل الحصول بنانے کے واسطے کچھ نرمی برتی۔ میرا رجحان امام شافعی کی طرف ہے لیکن بعض معاملات میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد ابو یوسف کے فتاویٰ زیادہ قابلِ قبول نظر آتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ یہ فن ایک زمانہ تک پہنچ کر ختم ہو گیا۔ وقت کے ساتھ نئے مسائل پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اجتہاد کی جگہ جگہ ضرورت پڑتی ہے، لیکن اب کوئی ایسا جید عالم سامنے نہیں آتا جو ان کا حل تلاش کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دے پہلے خود سیکھے پھر دوسروں کو سکھائے۔

آخر میں کہنے لگا معاف کیجئے میں نے آپ کی کافی سمع خراشی کی، بعض تلخ اور ناگوار باتیں بھی کہیں، صرف اس واسطے کہ آپ جویائے علم بن کر میرے پاس تشریف لائے۔ اسی طرح کا جب کوئی تشنۂ علم میرے پاس آتا ہے۔ تو میں اجمالی کوشش کرتا ہوں کہ اس کی تشنگی دور ہو جائے۔ آپ مجھ سے آئندہ بھی مل سکتے ہیں۔ افسوس کہ پھر اس کا موقع تو ہاتھ نہ آ سکا لیکن اس کے بعد یہ خیال مجھے ہمیشہ ستاتا رہا کہ یہ یہودی پروفیسر اپنے طلبہ کو کس قسم کی تعلیم دیتا ہوگا اور وہ کس ذہنیت کے مسلمان بن کر یونیورسٹی سے نکلتے ہوں گے۔

بحث ونظر

# عرب اسرائیل کشمکش: بنیادی اسباب (۱)

اشرف شعبان

ترجمہ: عبدالرحمٰن زریاب فلاحی

ہمارے عرب علاقے میں مملکت اسرائیل کی عمر بس پانچ دھائی ہی ہے۔ یعنی پانچ دھائی سے کچھ ہی سال زائد فقط اور اگر با تعیین ذکر کیا جائے تو ۱۴؍مئی ۱۹۴۸ کو ۳۸ مشہور صیہونی شخصیات نے سرزمین فلسطین میں اسرائیل نامی نئی حکومت کے قیام کے اعلان کے دستاویز پر دستخط کی۔ جب کہ ماضی میں یہودیوں نے ارض فلسطین میں خفیہ طور پر گھس آنے کی مختلف اوقات میں کوششیں کیں لیکن انہیں وہاں مطلق طور سے پرسکون زندگی میسر نہیں ہوئی۔ حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانہ اقتدار میں ۹۲۳ق م میں حکومت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ۱: جنوبی سلطنت اس کو مملکت یہودا بھی کہتے ہیں ۲: شمالی سلطنت جس کو مملکت اسرائیل کا نام دیا گیا۔ ۷۲۲ق م تک باقی رہی پھر اس کا زوال ہوگیا۔ مملکت یہودا ۵۸۶ق م تک زندہ رہی لیکن پھر اشوریہ کے ہاتھوں یہودی منتشر ہوگئے اور ان کے آثار وغیرہ مٹا دیے گئے۔ ایران کا پہلا کسریٰ خسرو جس کو بائبل خورس کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ۵۳۹ق م میں جب بابل پر قابض ہوا تو بنو اسرائیل کے قیدیوں کو بیت المقدس لوٹنے اور شہر و معبد کی تعمیر کی اجازت نہیں دی۔ لہٰذا کچھ ہی لوگ لوٹ سکے اور اکثر لوگ وہیں پڑے رہ گئے جہاں وہ تھے۔ شہر پر جب رومیوں کا قبضہ ہوا۔ تو یہودیوں اور رومیوں کے درمیان ۶۶ء میں جنگ شروع ہوگئی جس کا خاتمہ مشہور رومی جنرل اور شاہ واقین کے بیٹے طیطس کے بیت المقدس پر قبضہ اور شہر و ہیکل کی تباہی پر ۷۰ء میں ہوا۔ اس وقت سے لے کر اب تک تاریخ فلسطین میں یہودیوں کا کوئی وجود (stand) نہیں رہا یعنی اٹھارہ سو سال سے زائد عرصے سے فلسطین میں یہودیوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ فلسطین میں جو یہودی مملکت قائم ہوئی تھی وہ دو قسم کی تھی، جن کی عمر ۴؍سو سال سے زائد نہیں تھی جب کہ تاریخ فلسطین ۹؍ہزار سالوں پر مشتمل ہے۔ اس دوران اسلام نے فلسطین پر ۹؍سو سال حکومت کی اور دوسرے عرب ممالک پر اس نے ۳؍ہزار سال سے زائد عرصہ تک حکمرانی کی۔



فلسطین کی ۹؍ہزار سالہ تاریخ میں اپنی ۴؍سو سال کی حکومت کو بنیاد بنا کر اگر یہودی فلسطین میں کسی یہودی مملکت کا مطالبہ آج کر رہے ہیں، تو پھر مسلمان بجا طور پر اسپین اور پرتگال کے اکثر حصہ کی سیادت وقیادت کے سزاوار ہیں۔ جہاں انہوں نے مسلسل آٹھ سو سال زمام حکومت سنبھالے رکھی تھی۔ برطانیہ کو بھی چین کے مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کا حق ہوگا کیونکہ انہوں نے وہاں پر ۴؍سو سال سے زائد عرصہ تک قصر شاہی کو رونق بخشی تھی۔ ترکی بھی ان عرب علاقوں کا مطالبہ کرے گا جن پر اس کا قبضہ تھا۔ اس کے برعکس ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ دنیا کے کسی بھی شہر سے محض تاریخی رشتہ و تعلق مدعی کو قدیم ترین زمانے سے آباد شہروں پر چڑھ دوڑنے اور انہیں وہاں سے نکال باہر کرنے کا بھی مجاز بنا دیتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا اقوام متحدہ کا منشور اور قومی مسلم اقدار و قوانین کا خاتمہ ہو جاتا دنیا لاقانونیت، بربریت اور شرانگیز لڑائیوں کے سابقہ زمانوں سے جا ملتی۔ فلسطین میں یہودیوں کی الگ ریاست کو قائم کرنے کی فکر کا آغاز ۲۷؍اگست ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر بازل میں منعقد صیہونیوں کی کانفرنس سے ہوا۔ دنیا کا ایک یہودی صحافی تھیوڈور ہرتزل نے ریاست یہودا کے نام سے ایک رسالہ شائع کر کے صیہونیوں کے لئے قومی وطن کا ٹھوس تصور پیش کیا جس کی تکمیل پچاس سال کی مدت میں ہوگی اس پیرائیہ کا مقصد فلسطین میں یہودیوں کی قومی وطن کی تشکیل تھا جس کو دنیا میں قانونی حیثیت حاصل ہو۔ اس کے لئے اس نے چار خطوط کی تحدید کی ۱: فلسطین میں یہودی کسانوں، مزدوروں اور پیشہ وروں کی منظم آبادکاری کی پوری حوصلہ افزائی و کوشش کی جائے۔ اس مقصد میں یہودی کامیاب بھی ہوئے۔ نتیجے ۱۸۸۲ء میں فلسطین کے اندر تقریباً جو ۲۵؍ہزار یہودی تھے ان کی تعداد ۱۹۸۲ء میں ۳۰؍لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی۔ فی الحال فلسطین میں یہودیوں کی تعداد تقریباً پچاس لاکھ ہے۔ اسرائیل آج بھی اسی نہج پر کار فرما ہے چنانچہ وہ دنیا کے ہر یہودی کو خوش آمدید کہتا ہے اور اسرائیل کو اس کی آبادکاری کے لئے فراہم کرتا۔ لہٰذا دنیا کے مختلف ملکوں سے یہودی یہاں آ کر آباد بھی ہوتے ہیں۔ اور مزید مہاجرین کے لئے کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ نئے یہودی فلسطین کے لئے بڑا خطرہ ہیں۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے جب بھی یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے تب تب فلسطین کی مزید سرزمین پر قبضہ کرنے کی ان کی حرص وطمع میں اضافہ ہی ہوا ان کا مقصد یہی رہا ہے کہ وہ ایسی آبادیاں تعمیر کریں جہاں ضروریات زندگی وافر مقدار میں دستیاب ہوں۔ عسکری لحاظ سے انہیں عربوں پر تفوق حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے انہیں ارض فلسطین کے اصل باشندوں کے لئے حدود فلسطین سے باہر نکل جانے کی تمام

پرامن کوششیں اور گفت و شنید ناکام ثابت ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ مملکت اسرائیل یہودیوں کے اندر یہ جذبہ پروان چڑھاتی ہے کہ عربوں کا قتل ان کے لئے مباح ہے۔ خود حکومت ہی ایسے یہودیوں کو اسلحہ فراہم کرتی ہے تاکہ وہ اپنے مقاصد کو بروئے کار لاسکیں۔

دنیا کے مختلف حصوں سے یہودیوں کی ہجرت کی وجہ سے عربوں اور یہودیوں کے درمیان مردم آبادی/مردم شماری کا جو توازن پایا جاتا تھا۔ اس میں بھی کافی خلل واقع ہو چکا ہے۔ اسرائیل میں مقیم عربوں کی تعداد ایک ہزار میں ۷۰ اور ۱۰۰ میں ۱۷ ہے۔ ۷۰ء کی دہائی میں عربوں کی تعداد میں ۳۴ر فیصد سالانہ اضافہ ہوا۔ جب کہ یہودیوں کی تعداد میں فقط دو فیصد کا ہی اضافہ ہوا۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو ۲۰۰۰ء تک اسرائیل کی آبادی میں عربوں کا تناسب ۲۲ر فیصد ہو گیا ہے۔ اور اگر اسرائیل کے قبضہ والے علاقے کے عربوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر عرب ۳۷ر فیصد ہو جائیں گے۔ اس طرح ۲۰۱۰ء تک عربوں اور یہودیوں کی تعداد مساوی ہو جائے گی۔

اس کے برعکس اسرائیل سے ہجرت کرنے والے یہودیوں کی تعداد میں بھی نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق ۸۵۔۱۹۸۴ء کے دوران ۱۱ر فیصد یہودیوں نے اسرائیل سے ہجرت کی مذکورہ وقت کے آخری دہائی کے پانچ سالوں میں تو ۵۸ر فیصد یہودیوں نے ہجرت کی ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ ساری کوششوں، لالچ اور دباؤ کے باوجود ہجرت کرنے والوں کے تناسب میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

آخری زمانہ میں اسرائیل سے یہودیوں کی ہجرت کے واقعات پر نظر رکھنے والا فوراً اس حقیقت کا ادراک کرے گا کہ قرآنی پیشین گوئی سچ ثابت ہو کر رہے گی۔ یہی یہودی فوجیں ہیں جو اسرائیل پر گروہ در جماعت کی شکل میں دست تصرف رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء آیت ۱۰۴ میں ارشاد فرمایا! "پھر جب آخرت کے وعدہ کا وقت آن پورا ہو جائے گا تو ہم تم سب کو ایک ساتھ لا حاضر کریں گے"

اس قرآنی پیشین گوئی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے وہ یہ کہ سرزمین اسرائیل میں یہودی گروہ کی شکل میں آمد کے بعد خالق کائنات کی عبادت کرنے والے ایسے مسلمانوں کا ظہور ہوگا جو اسرائیل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور یہود کو رسوا کریں گے۔ فلسطین کو نہر سوئز سے لے کر دریائے نیل تک اور جنوب سے لے کر شمال تک ان کے قبضہ سے آزاد کرائیں گے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ "پھر جب دوسرے



وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے۔ اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے تباہ کر کے رکھ دیں۔(۷)

یہ بات تو بالکل فطری ہے کہ قرآن کی برحق پیشین گوئی سچ ثابت ہو کر رہے گی۔ کیونکہ اس کا رشتہ اللہ سے جڑا ہے۔ وہی ایک ایسی قرآنی نسل معرض وجود میں لائے گا جو اس بار گراں کو اٹھانے پر قادر ہو پھر دنیا دیکھے گی اس قرآنی نسل کی قیادت میں کس طرح یہودیوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ شاید درخت اور پتھر بھی انہیں دیکھ کر پکار اٹھیں کہ اے مسلمانوں مومنوں اور اللہ کے بندوں ادھر دیکھو یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ آؤ اور اس کو واصل جہنم کر دو اور سطح زمین کو اس کے شر سے محفوظ کر دو۔

اسرائیلی معاشرہ کے انتشار کی بنیادیں بھی متعدد اور مختلف ہیں اس معاشرہ میں تضاد ہی تضاد ہے۔ بعض ان کے دینی فرقے ایک دوسرے کو تسلیم تک نہیں کرتے۔ آپس میں شادی بیاہ بھی نہیں ہوتا۔ بعض گروہوں کے یہاں تو دینی معاملات میں بے جا غلو بھی پایا جاتا ہے مثلاً نیتوری کارتا فرقہ جس کے مدارس اور ادارے معاشرہ سے دور ہوتے ہیں۔ یہود کے دو فرقے اشکنازیم اور سفارادیم سے مکمل طور پر مختلف ہے مزید یہ کہ کسی تیسرے گروہ کے آجانے سے یہ اختلاف و فرقہ بندی اور گمبھیر ہو جائے گی۔ ان میں سے ہر ایک گروہ کا اپنا مخصوص حاخام اکبر ہوتا ہے۔ (حاخام قرہ صوا آفندی سالونیکا کا یہودی باشندہ تھا) ۱۹۰۱ء میں ہرزل نے اسی کے ذریعہ سلطان عبدالحمید خان کے پاس باقاعدہ یہ پیغام بھجوایا تھا کہ یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں۔ آپ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی اجازت دے دیں لیکن سلطان نے اس پیغام پر تھوک دیا چنانچہ اس کے بعد فوراً ہی سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ پلٹنے کی کوششیں شروع ہو گئیں سات سال کے اندر ان کی سازشیں چلتے ہو کر اس منزل پر پہنچ گئیں کہ ۱۹۰۸ء میں جو تین آدمی سلطان کی معزولی کا پروانہ لے کر آئے ان میں حاخام بھی شامل تھا۔

یہود کے مختلف فرقوں کا الگ الگ طرز زندگی اور مختلف معیار معیشت ہے۔ مزید برآں وہ لوگ جو کالونیوں اور نو آبادیوں میں رہتے ہیں اور شہروں میں رہنے والوں کے درمیان معاشرتی اور معاشی لحاظ سے کافی تفاوت پایا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ یہاں پر لبرل سیکولر، اشتراکی اور ملحدین بھی سرگرم عمل ہیں۔ اللہ کا سورۃ الحشر ۱۴ میں ارشاد ہے۔

"یہ کبھی اکٹھے ہو کر کھلے میدان میں تمہارا مقابلہ نہ کریں گے۔ لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے۔ یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں۔ تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ حال اس لئے ہے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں"۔

تھیوڈ ہرٹزل کے میزانیہ کا دوسرا مقصد دنیا کے تمام یہودیوں کی ایک تنظیم کا قیام عمل میں لانا تھا۔ اور سارے یہودیوں کو متحد کرنا۔ ایک ایسی تنظیم اور اتحاد جو مقامی و لوکل قوانین کے ہم رقاب ہو۔ عملی طور پر صہیونیت کی عالمی تنظیم کا جنم ۱۹۱۹ء میں ہوا اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں یہودی ایجنسی کا قیام عمل میں آیا پھر بین الاقوامی برادری سے تسلیم شدہ بہت سی دوسری صیہونی ایجنسیاں وجود میں آ گئیں۔

تیسرا مقصد یہودیوں میں نسلی تعصب، قومیت کا شعور اور سب سے بالاتر ہونے کے احساس کو فروغ دینا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسرائیل کی کوشش یہ رہی ہے کہ زبان کے اندر اتحاد و ربط باہمی پایا جائے اور پھر دیس کی حفاظت کی جائے۔ اسرائیل اس کا بھی خواہاں ہے کہ یہودی ثقافت کو رسوخ حاصل ہو کیونکہ ثقافت اور زبان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ یہی دونوں تو قومی بقاء کی واحد کنجی ہیں۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اسرائیل کو لاحق بیرونی خطرات سے بھی مسلسل باخبر رہیں تا کہ اس کے ذریعہ اندرون ملک باہمی ربط، یکجہتی و اتحاد کی فضاء قائم ہو سکے اور قومی اداروں و اطاعت و جانفروشی کی روح کو تیز کیا جا سکے اور خطرات کا سامنا کیا جا سکے۔ اللہ کا ارشاد ہے "عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرین حق کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کی خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے۔ جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری قیام گاہ ہے جو ان ظالموں کا نصیب ہو گی۔ سورۃ آل عمران (۱۰۱)

اس طرح کی کذب بیانی کی وجہ سے اسرائیل کو دوسروں کی تائید بھی حاصل ہو رہی ہے۔ مزید طاقت و قوت اسلحہ اور بے شمار ڈالر سے بخشے جا رہے ہیں وحشت و بربریت کا وہ ننگا ناچ جس کا اہل فلسطین سامنا کر رہے ہیں۔ اس کے لئے قانونی جواز بھی فراہم کیا جا رہا ہے۔ حقائق اور اعداد و شمار پر بس طائرانہ نظر ڈالئے اور خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اسرائیل کیا کر رہا ہے۔ بطور مثال دیکھئے ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک کے دوران اسرائیل کو صرف امریکہ سے حاصل ہونے والے ڈالر کی مجموعی تعداد ۶۲ بلین



ہے۔ جو اقتصادی اور عسکری اعانت کے خوبصورت لبادہ میں حوالہ اسرائیل کی گئی ہے۔ جب کہ تسلیم شدہ طور پر امریکہ اسرائیل کو ۳ ارب ڈالر دیتا رہا ہے۔ دوسری طرف دنیا کے ذرائع ابلاغ پر اسرائیل کا قبضہ ہے جس کی وجہ سے عالمی رائے عامہ کو وہ اپنے طور سے متاثر کرتا ہے۔ اور ہمیشہ عربوں اور مسلمانوں کی برائی بیان کرتا ہے۔ لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکاتا ہے نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ اے دنیا والو دیکھو مسلمانوں کے پاس ایٹم بم ہے۔ ایران اور جزائر میں اسلامی انقلاب آ گیا ہے اس کی وجہ سے شرق اوسط میں امریکہ اور مغرب کے مفادات و مصالح کا جنازہ نکل رہا ہے۔ اور کوئی بھی عرب حکومت جس کی سیاست اعتدال پر مبنی ہو جو ایک مستقل عالمی نظام کے قیام کے لئے کوشاں ہو وہ ان اسرائیلی پروپیگنڈوں کے علمبرداروں سے محفوظ نہیں رہ سکتی جن کے مطابق اسرائیل عرب حکومتوں کے درمیان ایک اہم مسئلہ ہے اور یہ کہ اسلامی بیداری ہر اس چیز کا خاتمہ کر دے گی جو غیر اسلامی ہے۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو شرق اوسط میں اشتراکیت کا جو غلبہ تھا وہ ایک طرح سے بڑا نفع بخش چارٹر تھا جس کو حکومت اسرائیل نے سیاسی اقتصادی اور عسکری امداد (aid) کے حصول کے لئے بطور سیاسی نجات دہندہ کے استعمال کیا لیکن جب اشتراکیت نے دم توڑ دیا تو پھر اسرائیل کے لئے لازم ہو گیا کہ اس امداد کے تسلسل و استمرار کی غرض سے جس سے کہ اسے اپنے پڑوسی ممالک پر تفوق حاصل ہوتا ہے۔ کوئی نیا شوشہ گھڑے چھوڑے چنانچہ اب وہ دہشت گردی و اسلامی بیداری کے موضوع کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہا ہے اور پوری کوشش کر رہا ہے کہ ان کے درمیان ربط و تعلق ثابت کرے۔

کانفرنس کے اندر مذکورہ مقاصد کے حصول کے لئے چوتھی چیز یہ تھی کہ صہیونیت کے مقاصد کے حصول کے لئے مختلف حکومتوں کی ضروری تائید حاصل کی جائے۔ ۱۹۱۶ء میں برطانیہ اور فرانس کے وزیر خارجہ نے خفیہ طور پر معاہدہ کر کے اسرائیل کے اس مقصد کو بھی شرمندہ تعبیر کر دیا۔ اس کے بعد نومبر ۱۹۱۷ء کو تاریخ کا وہ سیاہ ترین دن آیا جب برطانیہ نے دونوں قوموں کے اتحادی آڑ لے کر ارض مقدس میں یہودی وطن بنانے پر رضامندی ظاہر کر دی یہ اعلان یا معاہدہ برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے لارڈ راتھ چائلڈ کے نام ایک خط میں کیا اسی لئے اسے اعلان بالفور کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں اس وقت پوری ہوئیں جب ۲۴ جولائی ۱۹۲۲ء کو مجلس اقوام cleague of nations نے فلسطین کو برطانیہ کے اقتدار میں دے دیا اور آخر میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اپنی مشہور قرارداد ۱۸۱/۲ صادر کی جس کے مطابق امن و انصاف کی علمبردار اقوام متحدہ نے انتہائی غیر منصفانہ

طور پر فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ اقوام متحدہ کی نگرانی میں بیت المقدس کو ایک مستقل وجود گردانا اسی قرارداد کو بنیاد بنا کر یہودیوں نے فلسطین میں اپنی حکومت کے قیام کا قانونی جواز بھی طلب کرالیا اور عملاً ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ حالانکہ یہ سب کچھ اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق جنرل اسمبلی کے دائرہ اختیار سے باہر تھا۔ بہر حال فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوگئی۔ ۱۹۴۸ء میں اس نے سرزمین فلسطین کے ایک بڑے حصہ کو غصب کر لیا۔ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس پر قبضہ کیا ساتھ ہی فلسطین کے دوسرے حصوں اور دوسری عرب حکومتوں پر بھی قبضہ کیا۔

اقوام متحدہ میں اس تاریخی الٹ پھیر سے متعلق عربوں کی جانب سے سفارتی کوششوں کو اس وقت کامیابی ملی جب جنرل اسمبلی نے اپنے ۱۹۷۵ء کی مشہور قرارداد ۳۳۷۹ کو کالعدم قرار دے دیا۔ صیہونیت نے اس فیصلہ کو قومی اور نسلی تعصب کا فیاز گردانا جبکہ اس کو ۱۱۱ حکومتوں کی تائید حاصل کی تھی۔ ۲۵ حکومتوں نے اس کی مخالفت کی اور ۱۳ حکومتوں نے ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا۔ اور آخر میں اسرائیل کے تئیں ویٹیکن کا موقف پھر اس کی حکومت کو تسلیم کرنا۔ سفراء کا تبادلہ جس سے کہ مغرب میں مسیحیوں کے موقف اور بعض عرب حکومتوں میں اسرائیل کے اثرات مرتب ہوں گے قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے: اے لوگوں جو ایمان لائے ہو تمہارے پیش رو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنا لیا ہے انھیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو سورۃ المائدہ (۵۷) اور سورۃ البقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔

فلسطین میں اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد سے ہی اسرائیل دنیا کے تمام ممالک سے عوامی پیمانے پر خلوص تعلقات قائم کرنے کی کوشش میں لگا رہا اور حد تو یہ کی اس نے خاص افریقہ جس نے کہ عرب اسرائیل جنگ میں عربوں سے اتحاد و یکجہتی کی بنا پر اس سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے تھے کو بھی نہیں چھوڑا اس سے بھی تعلقات بحال کیے اس سے اسرائیل کو سیاسی اور اقتصادی طور پر بڑا فائدہ ہوا یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ تحریک صہیونیت کی ابتدائی کوششیں براعظم افریقہ سے ہی ہوئی تھی بلکہ بعض اوقات میں تو براعظم افریقہ کو بھی ارض موعود سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب ارض فلسطین میں صہیونی تحریک کے بروکار لانے کے امکان روشن ہوئے تو افریقہ سے یہودی واپس چلے گئے جیسا



کہ خود بانی تحریک صہیونیت تھیوڈور ہرزل نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اپنی کتاب 'یہودی حکومت' میں اس نے لکھا ہے کہ ایک سیاسی وجود حاصل کرنے کے بعد براعظم افریقہ کے دیگر ممالک کو آزاد کرانے کی کارروائی کی جائیگی۔

افریقہ میں اسرائیل کی موجودگی سے اسے جتنا سیاسی فائدہ حاصل ہوا اس سے کہیں زیادہ فائدہ اقتصادی طور پر اسے حاصل ہوا۔ اعداد و شمار کا مطالعہ اس امر کو بالکل واضح کر دیتا ہے۔

۱۹۶۸ء میں اسرائیل نے دنیا کو جو اسلحے فروخت کیے وہ تقریباً ۳ ارب ڈالر کے تھے جس میں سے ایک ارب ۴ کروڑ کے اسلحے صرف افریقہ کو فروخت کیے گئے مزید برآں افریقہ میں سرگرم عمل اسرائیلی کمپنیوں نے ۸۰۰ ملین ڈالر منافع کمایا اسرائیل کی زیم نسادینا نامی کمپنی کا آج بحر ہند اور بحر اٹلانٹک میں موجود افریقی بندرگاہوں کی اکثریت سے ربط و تعلق ہے یہاں افریقہ سے وہ یعنی اسرائیل اہم سامان جیسے "پیٹرول، سونا، ہیرا، کوکو کا درخت اور لکڑی درآمد کرتا ہے۔ رہی اس کی برآمدات تو وہ کم سے کم ۲۴ افریقی ممالک تک بھیجی جاتی ہیں۔ ان برآمدات میں جنگی آلات، زراعت کے اوزار، کھاد، الیکٹرانک سامان، اسلحے اور ہلاکت خیز مادے شامل ہیں اسکے باوجود اسرائیل افریقہ کو جو مدد دیتا ہے وہ براعظم افریقہ کو حاصل ہونے والی مجموعی رقم کا صرف ۰.۵ فیصد ہے۔ افریقہ کو عرب ممالک سے حاصل ہونے والی امداد AID سے اگر اسرائیلی امداد کا مقابلہ کریں تو پھر وہ بے معنی نظر آنے لگتی ہے کیونکہ متحدہ عرب ممالک افریقہ کو دس ارب ڈالر سے زیادہ AID امداد دیتے ہیں۔

اپنے سابقہ تمام ادوار و مراحل کے مقابلے میں براعظم افریقہ کے اندر آج اسرائیل سیاسی استحکام حاصل کرنے کے کہیں زیادہ قریب ہے۔ مزید یہ کہ متصل افریقی ملکوں میں جیسے کہ ایتھوپیا اور چاڈ وغیرہ۔ اسرائیلی فوجیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ضرورت پڑنے پر عربوں کے خلاف برسر پیکار ہونے کے لئے ان ملکوں کو دعوت دینے میں اسرائیل کوئی کسر باقی نہیں رکھے گا جیسا کہ دنیا چاڈ، لیبیا، ایتھوپیا اور مصر کے بارے میں دیکھ چکی ہے۔

اسرائیل اس وقت تک اپنی غاصبانہ پالیسی و سیاست پر مسلسل عمل پیرا رہے گا جسکی بنیاد یہ ہے کہ فلسطین اور دوسری عرب حکومتوں کی سرزمین کو ہڑپ لیا جائے اور عربوں کا قتل عام کیا جائے جب تک کہ اسے کوئی لگام نہ لگائے۔ اس کے اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دے کیونکہ اسی کا علم نہیں ان کا عقیدہ رہتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ وہی اللہ کے محبوب ہیں۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے۔

"وہ تو تم سے لڑتے ہی جائیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہارے دین سے تم کو پھیر لے جائیں"۔ (سورۃ البقرہ ۲۱۷)

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی جنگ میں اسرائیل صرف فوجی قوت ہی پر بھروسہ نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے لئے وہ دوسری تدبیریں بھی بروئے کار لاتا ہے تا کہ خطۂ عرب میں اسے تفوق و برتری حاصل ہو جائے۔ ان تدابیر کی طرف ہم اجمالاً اشارہ کر رہے ہیں۔

ابتداء میں اسرائیل نے یہ تدبیر اختیار کی کہ خود اپنی ٹکنالوجی اور فوجی قوت وتوانائی کو ترقی دے لیکن جب کسی عرب حکومت نے خطرات کے پیش نظر اپنی قومی سلامتی کی خاطر جدید سائنس وٹکنالوجی سے مسلح ہونا چاہا تو اسے قابل ملامت گردانا۔

امریکن نیشنل امن کونسل کے سابق ذمہ دار شرق اوسط کے معاملات کے اسپیشلسٹ فاضل اور فی الحال بروکنگز کے ادارہ میں ماہر فن کی حیثیت سے خدمات انجام دینے والے ولیم کوانٹ بالکل واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ اسرائیل حکومت کو باقی رکھے گا کیونکہ شرق اوسط میں یہی ایک حکومت ایسی ہے جس کے پاس ایٹمی اسلحے ہیں اس کے علاوہ اس کے پاس روایتی وجدید ترین اسلحوں کی ایک پوری دنیا آباد ہے جس سے ضرورت پڑنے پر اسرائیل کے اس مقصد کی حصولیابی ممکن ہو سکے گی جس کے پیش نظر اس کے حلیف امریکہ نے اسے وجود بخشا ہے۔ بے شمار اسلحوں کی دنیا میں بارود کے وہ ذرم وپیچ بھی شامل ہیں۔ جنہیں بس آگ لگانے کی دیر ہے۔" امریکہ کا نیوز ویک NEWS WEEK نامی اخبار نے اپنی اشاعت میں لکھا کہ " اسرائیل ۱۰۰ ایٹم بم کا مالک ہے۔ اس کے پاس بڑے پیمانے پر تباہی مچانے والے درجنوں ایٹمی لانچر ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسرائیل لمبی دوری تک مار کرنے والی ایسی میزائلیں چھوڑنے پر بھی قادر ہے جو عالم عرب کے کسی بھی حصہ کو اپنا نشانہ بنا سکتی ہیں اتنا ہی نہیں وہ تو عرب علاقہ سے تجاوز کر کے متحدہ روس کے قریب تک جا سکتی ہیں امریکہ کے تعاون سے عنقریب اسرائیل تیار شکن میزائل کی تنصیبات کو بھی عملی جامہ پہنانے والا ہے۔

اس کے علاوہ مغربی ماہرین کے مطابق اسرائیل طیارہ شکن میزائلوں کی صنعت کاری کے لئے ۱۵ ارب ڈالر خرچ کرتا ہے متعدد دوری تک مار کرنے والے میزائل کی پیداوار اور سیاروں کی جنگ کے پروگرام چلانے کے لئے اسے سرمایہ کی فراہمی ریاستہائے متحدہ امریکہ کر رہا ہے۔ نتیجے اسرائیل کو فضاء میں ہونے والی ہتھیار بندی کی دوڑ میں سبقت حاصل ہو گئی ہے۔ اپنا پہلا مصنوعی و تحقیقی، اطلاعاتی سیارہ افق را بھی لگا دیا ہے۔ ۱۹ مہینہ کے بعد دوسرا جاسوسی سیارہ افق ۲ فضاء میں چھوڑ چکا ہے۔ باوجود اسکے کہ اسرائیل یہ دعوی کر رہا ہے کہ اس کا دوسرا جاسوسی سیارہ فوجی اغراض ومقاصد کے لئے نہیں چھوڑا گیا ہے۔ لیکن مغربی ذرائع کے مطابق اسرائیل نے اس سیارہ کے اندر ایک انتہائی جدید قسم کا الیکٹرانک کیمرہ فٹ کر دیا ہے جس کی وجہ سے عرب ملکوں میں ہونے والی عسکری سرگرمیوں کے جائے وقوع کا اسرائیل کو علم ہو جاتا ہے۔

یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل اپنی ہر عسکری نمائش میں مختلف قسم کے کیمیاوی اور حیاتی جنگی اسلحے منظر عام پر لاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسرائیل نے ان ہتھیاروں کو ترقی دی ہے تبھی تو اس کے پاس ایسے کیمیاوی وجراثیمی ہتھیار ہیں جو پورے عرب کو نیست ونابود کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے اس کے پاس ایسے خاص وسائل وذرائع بھی ہیں جو میدان جنگ میں استعمال ہونے والے کیمیاوی ہتھیاروں کے بارے میں فوری رپورٹ بھی فراہم کرتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ میدان جنگ میں کیمیاوی اسلحہ چھوڑے جانے کے شروع ہی میں اگر فوری اور مکمل آگاہی حاصل ہو جائے تو جنگ کے نقصانات پچاس سے لے کر سو فیصد تک کم ہو سکتے ہیں۔ اسرائیل جہاں ایک طرف ان وسائل سے مسلح ہے وہیں اس کے پاس کسی بھی کیمیاوی جنگ سے محفوظ رہنے کے لئے بھی ذرائع موجود ہیں لہٰذا وہ کسی بھی کیمیاوی جنگ میں کمال اطمینان کے ساتھ کود سکتا ہے۔ یہ بات بھی معروف ومشہور ہے کہ اسرائیل نے حال ہی میں اپنے تمام شہریوں کو گیس بچاؤ نقاب یا گیس ماسک اور ایسے آلات فراہم کر دیے ہیں جو انہیں کسی بھی حملہ آور سے فوری طور پر آگاہ کر سکتے ہیں اور جس کے نتیجہ میں وہ اپنا تحفظ کر سکتے ہیں۔ ایسے لباس بھی شہریوں کو میسر ہیں جو گیس سے محفوظ رکھ سکیں۔ کیمیاوی جنگ میں علاج کے طور پر استعمال کی جانے والی دوائیاں بھی دستیاب ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسرائیل بڑی تیزی سے ایسی کیمیاوی جنگ کی تیاری دمشق کر رہے ہیں جو فضاء کو مہلک کیمیاوی اشیاء سے بھر دے گی جس سے محفوظ رہنے کے لئے ان کے پاس تو سارے سامان وافر مقدار میں موجود ہیں لیکن دوسری طرف عرب اس سے یکسر محروم ہیں۔ سوچیے ذرا یاسر عرفات نے حال ہی میں اعلان کیا تھا کہ تقریباً چھ ہزار عورتوں کا حمل ان جراثیمی ایٹموں کی کارروائی کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے جس کو اسرائیل نے استعمال کیا ہے اور کر رہا ہے۔

بحث و نظر

# بچوں کے ساتھ نبی ﷺ کا سلوک

ترجمہ: فلک شمیر فلاحی

بچہ کا ذہن کورے کاغذ کے مانند ہوتا ہے لہذا اس پر صرف سچ اور حسن اخلاق کی چھاپ ڈالنی چاہیے۔ بچپن کی کچھ اپنی خصوصیات ہوتی ہیں جنھیں زندگی کے اس خاص مرحلہ کی مناسبت سے جاننا ضروری ہے۔ اس پر کافی کچھ تحقیق بھی ہو چکی ہے۔ بچوں کے معاملات اور ان کے مسائل سے متعلق بہت سی باتیں اللہ کے رسول ﷺ نے بھی بیان کی ہیں، ان میں سے کچھ کا ذکر ہم کر رہے ہیں جن کی حیثیت دریائے حکمت کے چند قطروں کی ہے اور جو والدین کے لیے تعلیم و تربیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔

**حوصلہ افزائی اور شفقت کا برتاؤ:** ہم سب واقف ہیں کہ بیشتر بچے جب کسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو وہ اپنے والدین کی ملامت اور ان کی سرزنش کے انتظار میں لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ بہت کم والدین ہیں جو اپنے بچوں کو کسی بھلے کام پر تحسین و آفرین سے نوازتے ہیں چنانچہ ان کی ہمت افزائی اور انھیں شاباشی دینے میں اس دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کرتے جیسا کہ انھیں لعن طعن کرنے اور سزا دینے میں کرتے ہیں، جب کہ اللہ کے رسول ﷺ کا معاملہ اس کے برعکس تھا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے سینے سے لگایا اور فرمایا "اے پروردگار! اس بچے کو کتاب کی تعلیم سے نواز دے" ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا تو آپ ﷺ نے پوچھا "یہ پانی کس نے رکھا ہے؟" تب آپ ﷺ کو بتایا گیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا "اے اللہ! اس بچے کو دین کی بصیرت عطا فرما" جب انس رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت کی تو نبی ﷺ نے انھیں بھی دعا دی اور فرمایا "اے اللہ تو اس کے مال و اولاد میں اضافہ فرما اور تو اسے جو کچھ بھی عطا کر اس میں برکت دے"۔

بچے دیکھتے ہیں کہ بڑے لوگ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور باہم دعاؤں کا تبادلہ کرتے ہیں لیکن وہ یہ بھی نوٹ کرتے ہیں کہ بعض بڑے ایک دوسرے سے صرف نظر سے کام لیتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا گزر کچھ ایسے بچوں کے پاس سے ہوا جو کھیل میں منہمک تھے تو آپ نے ان سے کہا "اے بچو! تم سب پر سلامتی ہو" انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گزر کچھ بچوں کے پاس سے ہوا تو انھوں نے ان کو سلام کیا اور کہا کہ نبی ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ البتہ آپ ﷺ سلام و نیاز میں بچوں کو بڑوں کے ساتھ شریک ہونے سے محروم بھی نہیں کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا "چھوٹا بڑے کو سلام کرے، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں"۔

**اظہار محبت:** بہتر ہے کہ بچے اپنے والدین کی زبان سے سنیں کہ وہ ان سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور یہ بھی مفید ہے کہ انھیں اس محبت و تعظیم سے آگاہ بھی کر دیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا اس حال میں کہ آپ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے "اے اللہ میں اس بچے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ" ابوہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ کو سینے سے لگایا اور کہا "اے اللہ یہ بچہ میرے نزدیک محبوب ہے تو بھی اسے محبوب رکھ اور اس شخص کو بھی محبوب رکھ جو اس کو محبوب رکھے۔" حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول کے اس فرمان کے بعد حسن رضی اللہ سے زیادہ محبوب میرے نزدیک کوئی نہیں رہا۔

**کھیل کود:** کھیل بچے کی زندگی کی اہم ضرورت اور اس کا لازمی جزو ہے، جس سے اسے محروم رکھنے سے اس کے معاشرتی اور نفسیاتی جذبات مردہ ہو جاتے ہیں۔ لہذا کھیل بچہ کا بنیادی فریضہ ہے جس سے دستبرداری اور چشم پوشی بہت مشکل ہے بہت سے والدین بچے کو کھیل کی اجازت دے کر اس پر احسان جتاتے ہیں اور اسے اس کا حق تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہے کہ میں نبی ﷺ کے یہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی میرے ساتھ میری کچھ سہیلیاں بھی کھیلتی تھیں، جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تھے تو سب آپ ﷺ سے ڈر کی وجہ سے بھاگ جاتی تھیں پھر آپ ﷺ ان سب کو میری طرف لوٹاتے تھے چنانچہ پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔

**بوس و کنار اور قلبی لگاؤ:** جس طرح کھیل بچے کا حق ہے اسی طرح محبت و شفقت اور نوازش بھی اس کا حق ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ لیا اس وقت آپ ﷺ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بھی بیٹھا ہوا تھا، اقرع نے آپ کو ایسے کرتے دیکھ کر کہا "میرے دس بچے ہیں میں کسی کو بوسہ نہیں لیتا تو آپ ﷺ نے اس پر نگاہ ڈالی اور فرمایا "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم کیا بھی نہیں جاتا" حضرت عائشہ رضی اللہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا "ایک دیہاتی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کیا آپ لوگ بچوں کو بوسہ لیتے ہیں؟ ہم لوگ تو انھیں بوسہ نہیں لیتے تب آپ ﷺ نے فرمایا "تو ہم کیا کریں کہ اللہ نے تمہارے دل سے جذبہ رحمت ہی کو ختم کردیا۔"

**تمام بچوں سے محبت:** اپنے بچوں سے محبت کرنا یقیناً اچھی بات ہے البتہ اس سے بھی بہتر ہے کہ ہم لوگ تمام ہی بچوں سے محبت رکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول کی نگاہ بلند تمام ہی بچوں کے لئے محدود اور تنگ نہیں بلکہ وسیع اور کشادہ تھی، حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شادی میں شرکت کے بعد واپس آرہی عورتوں اور بچوں کو دیکھا تو آپ رک گئے اور فرمایا "خدا کی قسم تم سب مجھے بہت زیادہ عزیز ہو، خدا کی قسم تم سب مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو، خدا کی قسم تم سب مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہو" یہ کلمات آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرائے۔

اسامہ بن زید نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ان کو اور حسن رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھا لیتے اور فرماتے کہ اے اللہ تو ان دونوں کو عزیز رکھ اس لئے کہ یہ دونوں مجھ کو عزیز ہیں۔"

**قدرت و استطاعت کا لحاظ:** بہت سے لوگ بچے سے ہم کلام ہونا بڑا آسان سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ بچے کی عقل و شعور اور اس کے تصورات کی مناسبت سے گفتگو کرنا مشکل ہے۔ بعض والدین بچے کو ایسا بڑا کام اس کے حوالے کردیتے ہیں جو اس کی قدرت میں نہیں ہوتا، جس کو وہ انجام دینے سے قاصر رہتا ہے، ایسا کرنا اس کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ثابت ہوتا ہے جو اس کے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کے بجائے اس کے ذہن میں انتشار پیدا کردیتا ہے اور احساس کمتری کا شکار بنادیتا ہے، زینب بنت حمید اپنے بچے کو لے کر اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا اللہ کے رسول اس سے بیعت



لے لیجئے، تب آپ ﷺ نے فرمایا "یہ ابھی چھوٹا ہے" پھر آپ ﷺ نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کو دعا دی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ مجھے اور ابن عمر دونوں ہی کو جنگ بدر کے موقع پر کم عمر قرار دیا گیا اس وقت مہاجرین کی تعداد ساٹھ سے زائد اور انصار دو سو چالیس سے کچھ زائد تھے۔

**قیادت کے لئے تیار کرنا:** البتہ جو غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے عظیم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی قدرت رکھتے ہوں تو ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے تاکہ یہ ضائع نہ ہوسکیں۔ جیسے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کے لشکر کی قیادت کے لئے اسامہ بن زید کو منتخب کیا اور اس کی وصیت بھی کی جس کو حضرت ابو بکر رضی اللہ نے اپنے عہد خلافت میں جامہ عمل سے آراستہ کیا۔

**ہمت افزائی اور قدر:** نبی ﷺ نے ایک عورت کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے بڑھئی بیٹے سے کہہ دو کہ میرے بیٹھنے کے لئے لکڑی بنادے۔" ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا میں آپ کے بیٹھنے کے لیے کچھ بنوادوں؟ کیونکہ میرا ایک بیٹا بڑھئی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "اگر چاہو تو ایک منبر بنوادو۔" اس طرح اللہ کے رسول نے عمل کی قدر کی اور خدمت کا موقع دے کر حوصلہ افزائی فرمائی

اچھا ہے کہ ہمارے بچوں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو اور بہتر ہے کہ ہم بھی اس کی نگرانی کریں اور اس کو پروان چڑھائیں اور اس کا جائزہ بھی لیتے رہیں۔ ابن عمر رضی اللہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ نے پوچھا تا وہ درخت کون سا ہے جس کا حال مسلم جیسا ہے جس پر خزاں طاری نہیں ہوتی اور سال بھر پھل دیتا ہے؟ ابن عمر رضی اللہ کہتے ہیں کہ میرے جی میں آیا کہ یہ تو کھجور کا درخت ہے، مگر میں نے ابو بکر و عمر کو خاموش دیکھا تو بولنا مناسب نہ سمجھا، پھر جب لوگ کچھ نہ بولے تو آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کھجور کا درخت ہے" پھر جب مجلس برخاست ہوگئی تو میں نے عمر رضی اللہ سے کہا: "ابو جان! میرے ذہن میں خدا کی قسم یہ بات آگئی تھی کہ یہ کھجور کا درخت ہوسکتا ہے، تب عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو تجھے بتانے سے کس چیز نے روکا تو انھوں نے جواب دیا آپ دونوں کو خاموش دیکھا تو بولنا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت عمر رضی اللہ نے کہا تمہارا بولنا میرے نزدیک فلاں فلاں چیز سے بھی زیادہ بہتر ہوتا۔

**خود اعتمادی اور جذبۂ جاں نثاری:** بچے موقع پا کر بلند ہمتی کی بدولت بسا اوقات ایسے کارنامے انجام دے ڈالتے ہیں جنہیں بڑے انجام نہیں دے پاتے۔ عبدالرحمن بن عوف اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بتایا کہ جنگ بدر کے موقع پر ہم لوگ صف بستہ کھڑے ہو رہے تھے کہ اسی دوران ہم نے اپنے دائیں بائیں نظر دوڑائی تو کیا یک ہماری نظر دو انصاری بچوں پر پڑی جو ابھی چھوٹے تھے، میں نے چاہا کہ ان کے قریب ہو جاؤں تو ان میں سے ایک نے مجھے پکڑ کر پوچھا "چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے جواب دیا ہاں پہچانتا ہوں، پر بھتیجے تجھے اس کی کیا ضرورت آن پڑی؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اللہ کے رسول کو برا بھلا کہتا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میری نظر اس پر پڑ گئی تو ہم دونوں میں سے زیادہ پھرتی دکھانے والا اسے فوراً ہی مار گرائے گا۔ میں اس کی اس بات کو سن کر تعجب میں پڑ گیا، پھر دوسرے بچے نے مجھ کو پکڑ کر اسی قسم کی گفتگو کی، ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ابوجہل اپنے لوگوں کے درمیان چکر لگاتا نظر آیا تو میں نے کہا سنو بچو! وہ رہا تمہارا ساتھی جسے تم دریافت کر رہے تھے، وہ دونوں شمشیر بکف بچے اس سے جا کر بھڑ گئے اس پر وار کئے حتی کہ اس کو جہنم رسید کر دیا، پھر دونوں اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ سے آگاہ کیا، اور پوچھا بتاؤ تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ دونوں ہی نے کہا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تم دونوں نے اپنی تلواروں کو پونچھ کر صاف کر لیا ہے؟ دونوں نے کہا "نہیں"، پھر آپ ﷺ نے دونوں تلواروں کا بغور مشاہدہ کیا پھر فرمایا "تم دونوں ہی نے اس کو قتل کیا ہے"۔

**عبادت کی ترغیب:** بہتر ہے کہ ہمارے بچے ان عبادتوں میں شریک رہا کریں جنہیں ہم رضائے الٰہی کے حصول کے لئے انجام دیتے ہیں تاکہ وہ بھی ان سے مانوس ہو جائیں اور ان کے عادی ہو جائیں اور مخصوص اوقات بھی ان کے ذہنوں میں نقش ہو جائیں۔ حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس آئے اس حال میں کہ امامہ بنت ابوالعاص ان کے کندھے پر تھیں پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی جب جھکتے تو ان کو اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو ان کو بھی اٹھا لیتے۔" سائب بن یزید سے مروی ہے کہتے ہیں کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حج کرایا گیا اس وقت میں سات سال کا تھا۔ بڑا خوش قسمت ہے وہ جس نے طاقت رکھتے ہوئے علم حاصل کیا اور اسے محفوظ رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ



فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول کی وفات کے وقت میں دس برس کا تھا اور محکم کا علم حاصل کر چکا تھا۔ ایک اور روایت ہے...... میں واقعی تمہارے پاس اللہ کے رسول کے پاس سے آیا ہوں، لوگوں نے کہا کہ فلاں وقت میں فلاں نماز ادا کر لیا پھر جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان دے دے اور جو قرآن کے علم میں تم سب میں زیادہ ہو تو وہ تمہاری امامت کرے گا تو لوگوں نے نظر دوڑائی تو قرآن کے علم میں مجھ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔" میں باہر سے آنے والے قافلوں سے ملتا تھا تو وہ مجھے آگے بڑھا دیا کرتے تھے حالانکہ میں سات ہی سال کا تھا اور میں ایک ہی چادر لپیٹے رہتا تھا جو سجدہ کے وقت سکڑ جاتی تھی تو لوگوں نے خرید کر میرے لئے ایک قمیص بنوا دی۔ یہ قمیص پا کر میں جتنا خوش ہوا اتنا مجھے کسی اور چیز سے خوشی نہ ہوئی۔

**ماؤں کا لحاظ اور بچوں سے شفقت:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ لوگوں کے ساتھ ان کے شایان شان برتاؤ کرو۔" اللہ کے رسول نے ہمیں بچوں کو نماز سکھانے کا حکم دیا جو ان پر آئندہ فرض ہونے والی تھی یاد رکھئے! انھوں نے عبادت میں بھی ان کا حق رکھا تھا اس طرح کہ ان کی وجہ سے نماز میں بھی تخفیف کر دیتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا میں نماز پڑھانے کھڑا ہوتا ہوں چاہتا ہوں کہ طویل قیام کروں کہ مجھے بچے کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے پھر میں اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔ اس لئے کہ مجھے پسند نہیں کہ میں اس کی ماں کو مشقت میں ڈالوں۔"

بچوں کے ساتھ گفتگو کرنا بھی مفید ہے بہتر ہے کہ گفتگو میں ہم ان کے معیار اور ذہنی سطح سے قریب ہوں اور اپنی دنیا کے بجائے ان کی دنیا میں آ جائیں اور اچھا ہے کہ مطلوب آزادی کے وسیع دائرہ میں رہ کر ہی لطف اندوز ہوں۔ ام خالد بنت سعید سے مروی ہے کہتی ہیں کہ میں اپنے ابو کے ساتھ اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئی، میں نے زرد قمیص پہن رکھی تھی اللہ کے رسول ﷺ نے کہا بڑی اچھی ہے بڑی خوبصورت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ پھر میں آپ ﷺ کی انگوٹھی سے کھیلنے لگی جس پر میرے والد نے مجھے ڈانٹا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا کہ چھوڑو اسے کھیلنے دو۔ پھر اللہ کے رسول نے فرمایا بوسیدہ کر پھاڑ دے، بوسیدہ کر پھاڑ دے، بوسیدہ کر پھاڑ دے، حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر وہ ٹھہری رہی یہاں تک کہ آپ بھی فرماتے رہے یعنی اسے درازی عمر کی دعا دیتے رہے۔

بحث ونظر

# فن تخریج اور اس کے قواعد

## (۲)

ڈاکٹر محمود طحان

### ضرورت واہمیت:

فن تخریج اور اس کے قواعد کی معرفت شرعی علوم کے لئے بے حد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر احادیث کے اصلی مصادر سے استفادہ اور رجوع ممکن نہیں اور اصلی مصادر کی جانب رجوع کے بغیر احادیث کے اصل الفاظ اور اس کے راویوں کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔

### فن تخریج کی مختصر تاریخ:

ابتدائی صدیوں میں اصول تخریج کی ضرورت نہ تھی کیونکہ قدیم علماء کو احادیث وسنن کا گہرا علم اور ان کے مصادر کی تفصیلی اطلاع تھی۔ احادیث سے استدلال واستشہاد کے وقت فوراً انکے مصادر کی جانب ان کا ذہن پہونچ جاتا۔ نیز فن حدیث پر لکھی گئی کتابوں کے مناہج تدوین سے بھی وہ واقف تھے جس کی وجہ سے ہر طرح کی حدیثی کتابوں سے استفادہ اور انکی جانب رجوع انکے لئے بے حد آسان تھا۔ لیکن بعد میں یہ صورت حال برقرار نہ رہی علماء اور ریسرچ اسکالروں کے لئے فقہ، تاریخ کی کتابوں میں درج احادیث کے مصادر کو پہچاننا مشکل ہو گیا اس لئے بعض علماء نے فن حدیث کے علاوہ دیگر فنون کی کتابوں میں وارد احادیث کی تخریج اور انکے اطراف کو مستقل کتابوں میں یکجا کر دیا اور صحیح وضعیف احادیث کی توضیح وتعیین کر دی۔ اس طرح تخریج کی کتابوں کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے خطیب البغدادی نے کتب تخریج کی تالیف فرمائی اور ان میں سب سے مشہور درج ذیل دو کتابیں ہیں

۱۔ "تخریج الفوائد المنتخبۃ الصحاح والغرائب" مولف شریف ابوالقاسم الحسینی۔

۲۔ تخریج الفوائد المنتخبۃ الصحاح والغرائب۔ ابوالقاسم المہروانی۔ یہ دونوں کتابیں ابھی مخطوط ہیں۔



ابواسحاق الشیرازی کی فقہ شافعی پر مشہور کتاب "المہذب" کی احادیث کی تخریج محمد بن موسیٰ الحازمی نے کی اور اس کا نام "تخریج احادیث المہذب" رکھا

پھر تخریج کی کتابیں عام ہوتی چلی گئیں یہاں تک کہ دس سے زائد کتابیں منظر عام پر آ گئیں۔ علمی انحطاط جب بڑھتا گیا تو نوبت یہاں تک آ پہونچی کہ اگر کسی نے اپنی کتاب میں حدیث کے مصدر کی جانب اختصار کے ساتھ اشارہ کر دیا تب بھی بعض اہل علم کے لئے اس مصدر تک پہونچ ممکن نہ رہی۔ کیونکہ انھیں اس کتاب کی ترتیب وتبویب کی خبر ہی نہیں ہے۔ اسی طرح یہ جان لینے کے باوجود بھی کہ یہ حدیث بخاری شریف یا مسند احمد میں ہے اس کے اصل متن تک پہونچ عام اہل علم کے لئے ممکن نہیں رہی کیونکہ انھیں ان کتابوں کی ترتیب وغیرہ کا صحیح علم ہی نہیں ہے اسی ضرورت کے پیش نظر میں نے یہ کتاب "اصول التخریج ودراسۃ الاسانید" تصنیف فرمائی تاکہ کتب حدیث کی ترتیب وتبویب اور اس سے استفادہ ہر صاحب علم اور ریسرچ اسکالر کے لئے آسان ہو جائے۔

### "تخریج کی مشہور کتابیں"

۱۔ تخریج احادیث المهذب لابی اسحاق الشیرازی، مولف محمد بن موسی الحازمی (۵۸٤ھ)

۲۔ تخریج احادیث المختصر الکبیر لابن الحاجب، مولف: احمد بن عبد الهادي المقدسی (۷٤٤ھ)

۳۔ نصب الرایه لاحادیث الهدایه۔ مولف عبدالله بن یوسف الزیلعی (۷٦۲ھ)

٤۔ تخریج احادیث الکشاف للجاحظ مولف حافظ زیلعی

۵۔ البدر المنیر فی تخریج الاحادیث و الآثار الواقعة فی الشرح الکبیر الرافعی، مولف عمر بن علی بن الملقن (۸۰٤ھ)

٦۔ المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار مولف: عبد الرحیم بن الحسین العراقی (۸۰٦ھ)

۷۔ **تخریج الاحادیث التی یشیر الیھا الترمذی فی کل باب۔ حافظ عراقی**

۸۔ **التلخیص الجبیر فی تخریج احادیث شرح الوجیز الکبیر الرافعی، مولف:** احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ)

۹۔ الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ۔ حافظ ابن حجر

۱۰۔ تحفۃ الراوی فی تخریج احادیث البیضاوی۔ مولف عبد الرؤف بن علی المناوی (۱۰۳۱ء)

**نصب الرایہ کا تعارف:** تخریج حدیث کی مشہور ترین کتاب ہے اس کے مؤلف جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی ہیں اس کتاب میں مؤلف نے ان احادیث کی تخریج کی ہے جن سے علامہ علی بن ابی بکر نے اپنی کتاب "الہدایہ" میں استشہاد کیا ہے۔

تخریج کی کتابوں میں عمدہ ترین اور نفع بخش کتاب ہے۔ حدیث کے جملہ طرق کا ذکر اور صحاح ستہ میں اس کے موارد کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ہر ہر طریقہ کے سلسلہ سند پر علماء جرح و تعدیل کے بیانات کی روشنی میں عمدہ بحث کی ہے۔ آپ کے اس طریقہ تخریج سے بعد کے علماء نے کافی استفادہ کیا ہے خصوصا حافظ ابن حجر عسقلانی نے۔

محمد بن جعفر الکتانی لکھتے ہیں: "یہ تخریج کی عمدہ اور مفید کتاب ہے بعد کے جملہ شارحین ہدایہ نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے بھی اپنی تخریج کی کتابوں میں اس سے کافی مدد لی ہے۔ اور ابن حجر جیسے عظیم محدث کا اس پر اعتماد کرنا فن حدیث اور اس کے علوم پر زیلعی کے درک کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ (الرسالۃ المستطرفۃ:۱۸۸)

**طریقہ تخریج:** اس کتاب کا طریقہ تخریج یہ ہے کہ آپ پہلے "ہدایہ" میں موجود نص کا ذکر کرتے ہیں پھر اس حدیث کے مخرجین کا تذکرہ کرتے ہیں، اس کے جملہ طرق اور ان طرق کے موارد پر مفصل گفتگو کرنے کے بعد اس حدیث یا اس کے مفہوم کی جملہ احادیث کا ذکر کرتے ہیں اور ان ائمہ کی بھی وضاحت کرتے ہیں جنھوں نے ان احادیث کی تخریج کی ہے۔ ان احادیث کی جانب



آپ "احادیث باب" کے ذریعہ اشارہ کرتے ہیں۔ مسئلہ اختلافی ہونے کی صورت میں ان احادیث کا بھی تذکرہ کرتے ہیں جن سے فریق مخالف نے استدلال کیا ہے۔ اور ان کے لئے "احادیث الخصوم" کی ہیڈنگ لگاتے ہیں جن ائمہ نے ان احادیث کی تخریج کی ہے ان کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ احادیث کی تخریج اور ان کی صحت وضعف کے بیان میں انتہائی درجہ کی دیانت داری برتتے ہیں کہیں سے بھی مسلکی تعصب کی بو نہیں آتی۔

تخریج احادیث کی ترتیب فقہی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔ کتاب الطہارۃ سے فقہ کے آخری ابواب تک، ہر باب سے متعلق حدیثیں اسی لحاظ سے مرتب ہیں، لہذا ان کی جانب رجوع کافی آسان ہے۔ اگر باحث حدیث کے موضوع سے باخبر ہو تو اسے باب میں آسانی سے تلاش کر سکتا ہے۔

یہ کتاب حقیقت میں احادیث احکام کی انسائیکلو پیڈیا ہے، جملہ مسالک فقہیہ کے مستدلات اور احادیثی دلائل کا مؤلف نے استقصاء کیا ہے۔ جو اس کتاب کی ایک منفرد وممتاز خصوصیت ہے۔

اس کتاب کے دو مطبوعہ نسخے ہیں ایک ہندوستانی جو اغلاط سے پر ہے اور جس پر اعتماد ممکن نہیں۔ اور دوسرا مصری، جو قاہرہ کے مطبع دار المامون سے ۱۳۵۷ھ میں ادارہ مجلس علمی پاکستان کے زیر اشراف طبع ہوا۔ یہ کافی عمدہ نسخہ اور چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ

یہ "نصب الرایہ" کی تلخیص ہے، اس کے ابواب کی ترتیب نصب الرایہ کی ترتیب پر قائم ہے البتہ تلخیص کی وجہ سے کتاب کے اصل مقاصد کا ایک معتد بہ حصہ ضائع ہو گیا، اس تلخیص سے مبتدی کے لیے سہولت بہم پہنچ سکتی ہے نیز استفادہ کے لئے کم وقت بھی لگے گا لیکن اصل کتاب کی موجودگی میں اس کتاب سے کوئی بڑا فائدہ وابستہ نہیں ہے، کیونکہ کسی بھی حدیث سے استدلال واستخراج کی تکمیل اس کے جملہ طرق کے استقصاء کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ حدیث کی تشریح وتوضیح میں اس کے بقیہ طرق معاون ومفید ہوتے ہیں۔ بعض طرق حدیث کو حذف کر دینے کی صورت میں استفادہ میں کمی اور مؤلف کے مقصود کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دہلی کے محبوب المطابع سے شائع ہوا ہے اور دوسرا قاہرہ کے مطبعۃ الفجالۃ الجدیدۃ سے ۱۳۸۴ھ میں شائع ہوا ہے۔

۳۔"تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث شرح الوجیز الکبیر"

حافظ ابن حجر نے "البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعۃ فی الشرح الکبیر" کی تلخیص "تلخیص الحبیر" کے نام سے کی ہے۔"الشرح الکبیر" ابو القاسم عبدالکریم بن محمد الرافعی (۶۲۳ھ) کی فقہ شافعی کی کتاب ہے۔ یہ دراصل ابو حامد الغزالی کی کتاب "الوجیز" کی شرح ہے۔

"الشرح الکبیر" میں وارد احادیث کی ابن حجر سے پہلے پانچ محدثین نے تخریج کی ہے (۱) سراج الدین بن الملقن (۸۰۴ھ) (۲) عزالدین بن جماعۃ (۷۶۷ھ) (۳) بدرالدین بن جماعۃ (۸۱۹) (۴) ابو امامہ محمد بن عبدالرحمن بن النقاش (۸۲۵) (۵) بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی (۷۷۴ھ)

ابن حجر کے بعد علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی احادیث کی تخریج اپنی کتاب "نثر العبیر فی تخریج احادیث الشرح الکبیر" میں کی ہے۔

سراج الدین بن الملقن نے پہلے "البدر المنیر" سات جلدوں میں لکھی تھی پھر اس کی تلخیص چار جلدوں میں "خلاصۃ البدر المنیر" کے نام سے کی۔ پھر اس کا خلاصہ ایک جلد میں "منتقی خلاصۃ البدر المنیر" کے نام سے پیش کیا۔ ابن حجر نے دوسری تلخیص کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن پہلی تلخیص کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے "الشرح الکبیر" کی پانچوں کتب تخاریج اور زیلعی کی نصب الرایۃ سے استفادہ کرتے ہوئے ابن الملقن کی کتاب کی تلخیص کی ہے۔ اور اپنی کتاب کو فقہی ابواب کی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں فقہاء کے جملہ مستدلات ودلائل کا احاطہ کرلیا گیا ہے اسی لیے احادیث احکام کی تخریج کے بنیادی مصادر میں اس کتاب کا شمار ہوتا ہے۔



تعارف کتب

# اسلامی مصادر کا تعارف (۳)

ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان
جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ

## حدیث کے مصادر:
## صحیح بخاری کی شرحیں:

۴۔ **فتح الباری** یہ صحیح بخاری کی سب سے عمدہ، جامع اور بہتر شرح ہے۔ لغت، اعراب ادبی اور بلاغتی نکتوں کے علاوہ بے شمار حدیثی فوائد پر مشتمل ہے۔ فقہی استنباطات، ان کے دلائل اور مختلف فیہ امور میں علماء کے اقوال انتہائی عمدہ انداز میں مذکور ہیں۔ مسلکی تعصب سے پاک ہے اس شرح کی ایک اہم خوبی احادیث کے جملہ طرق کا استقصاء ہے جس سے متعارض معانی واحتمالات کی ترجیح میں بسا اوقات مدد ملتی ہے۔ اور ایک باب سے متعلق جملہ احادیث کا عموماً استقراء کرنے کی کوشش کی ہے۔ تخریج حدیث اور ان کی صحت وضعف پر بھی عمدہ بحثیں جابجا مذکور ہیں۔

مکرر احادیث کی شرح کے تعلق سے آپ نے یہ طریقہ اپنایا ہے کہ ہر جگہ حدیث کے صرف ان اجزاء کی تشریح کی ہے جو امام بخاریؒ کا مقصود تھا اور پھر بقیہ اجزاء حدیث کی شرح کے لئے آپ اس جگہ کا حوالہ دے کر گزر جاتے ہیں جہاں ان اجزاء کی شرح موجود ہے۔

فتح الباری کا ایک مقدمہ بھی ہے جسے "ہدی الساری" کہا جاتا ہے اگر یہ مقدمہ سونے کے پانی سے لکھا جائے تب بھی اس کا حق ادا نہ ہو پائے گا۔ آپ نے اس میں صحیح بخاری کے مقام ومرتبہ پر مفصل گفتگو کی ہے۔ بخاری کے تراجم والابواب اور معلقات پر بھی عمدہ اور حسین بحثیں کی ہیں۔ نیز بخاری ومسلم کی احادیث پر کیے گئے اعتراضات کا مفصل جواب دیا ہے اور آخر میں امام بخاریؒ کی مفصل سوانح حیات درج ہے۔

یہ شرح ۱۳ جلدوں پر مشتمل ہے اس کا مقدمہ بھی ایک بڑے مجلد میں ہے یہ شرح ہندوستان اور مصر دونوں جگہ سے چھپی ہے اور سب سے عمدہ طباعت بولاق کی ہے۔

**۵۔عمدة القاری** الشیخ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی (۸۵۵ھ)

یہ ایک متوسط شرح ہے راویوں کے تراجم، انساب، اعراب، معانی اور بیان کی توضیح کیا تھ ساتھ فقہی مسائل اور احادیثی فوائد پر مشتمل ہے۔ اکثر و بیشتر فقہی و حدیثی مسائل سوال وجواب کی شکل میں درج ہیں۔ اس کی ایک خوبی مکرر احادیث کی ہر متعلق موقع پر شرح اور حدیث کے پورے سیاق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ حدیث کی تخریج کا بھی اہتمام ہے۔ اس شرح کا آغاز آپ نے ۸۲۱ھ میں اور تکمیل ۸۴۷ھ میں کی تھی۔ آپ نے اپنی اس کتاب میں علامہ رکن الدین کی شرح پر کافی اعتماد کیا ہے اور جا بجا فتح الباری سے بھی استفادہ کیا ہے۔

عمدة القاری کی اہم خوبی، انساب، لغات، بیان اور بدیع میں توسع ہے اور فتح الباری کی اہم خوبی سندوں کا استقراء اور حدیث پر فنی گفتگو، معلقات اور صحیح پر کیے گئے اعتراضات کا علمی انداز سے جواب دینا ہے۔

**۶۔ ارشاد الساری الی صحیح البخاری** علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی (۹۲۳ھ) یہ ایک متوسط اور مختصر شرح ہے، سابقہ شرحوں پر ان کا اعتماد رہا ہے۔ ضرورت کے تحت بعض فقرات کی شرحوں کا اعادہ بھی پایا جاتا ہے۔ قسطلانی نے احادیث نبویہ کی منزلت، امت اسلامیہ کی احادیث کے تئیں شدید توجہ اور احادیث کے حفظ و تدوین پر بھی عمدہ بحث کی ہے۔

۷۔ شرح العلامہ الشیخ ابی الحسن بن عبدالہادی السندی (۱۱۳۸ھ) شرح سے زیادہ اس کو حواشی وتعلیقات کہنا بہتر ہوگا۔ کیونکہ انھوں نے صرف مشکل الفاظ کی شرح کی ہے۔ انتہائی مختصر شرح ہے پھر بھی نفیس اور بعض عمدہ بحثیں پائی جاتی ہیں۔ صحیح بخاری کے حاشیہ پر طبع ہوتی ہے۔

**ناقص اور ادھوری شرحیں**

وہ شرحیں جو پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکیں ان میں سے ایک علامہ نووی کی شرح بھی ہے جو "کتاب الایمان" تک کی شرح پر مشتمل ہے۔ حافظ اسماعیل بن کثیر اور رکن الدین احمد القریمی نے بھی اس کی شرح کی ہے۔ سراج الدین عمر بن ارسلان نے کتاب الایمان تک اور حافظ زین الدین عبدالرحمن بن رجب صرف جنائز تک اپنی شرح کی تکمیل کر سکے۔

**صحیح بخاری کے مختصرات** ۱۔ مختصر الشیخ جمال الدین ابی العباس احمد بن عمر القرطبی (۶۵۶ھ)



۲۔ مختصر العارف باللہ ابی محمد عبداللہ بن سعد بن ابی حمزہ الاندلسی (۶۹۵ھ)

یہ صرف تین سو احادیث پر مشتمل ہے۔ آپ نے اپنی اس تلخیص کی شرح بھی لکھی ہے جو "بہجة النفوس وتحلیہا بمعرفة مالہا وما علیہا" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ایک عمدہ شرح ہے جس میں مؤلف نے الفاظ کی شرح و تحقیق کے بجائے معانی پر توجہ دی ہے۔ "نادر تحقیقات" اور ایسے عمدہ نکتوں پر مشتمل ہے جو دوسری شرحوں میں مفقود ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں اس سے کافی نقل کیا ہے۔

۳۔ بدرالدین......کی تلخیص (۷۷۹ھ)

یہ تلخیص "ارشاد السامع والقاری المنتقی من صحیح البخاری" کے نام سے موسوم ہے۔

۴۔ زین الدین الزبیدی کی تلخیص (۸۹۳ھ) مکرر احادیث کو آپ نے اپنی اس تلخیص میں حذف کر دیا ہے اور متفرق ٹکڑوں کو یکجا کر دیا ہے۔

**۲: صحیح الامام مسلم** مؤلف حافظ ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری (۲۶۱ھ)

یہ صحاح ستہ کی دوسری کتاب ہے، کتاب اللہ کے بعد دو صحیح ترین کتابوں میں سے ایک ہے امام نووی کہتے ہیں، مسلم کی ایک امتیازی خوبی اس کی جانب رجوع و مراجعت کی سہولت ہے، انھوں نے ایک حدیث ایک ہی مقام پر ذکر کیا ہے اور اس کے جن طرق کو پسند کیا ہے انھیں وہیں درج کر دیا ہے۔ متعدد سندیں اور حدیث کے مختلف الفاظ یکجا کر دیے ہیں، جس سے طالب علم کو اس کی متعدد صورتوں اور طرق پر غور کرنے اور ان سے استنباط کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

آپ نے اپنی کتاب کو فقہی ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا ہے لیکن ابواب کے عناوین نہیں قائم کیے ہیں دوسرے علماء نے اس کے ابواب قائم کیے ہیں۔ آپ کا مقصود استنباط و استدلال سے قطع نظر صحیح حدیث کے جملہ طرق کو ایک ہی مقام پر درج کر دینا تھا تاکہ متون کے اختلاف اور سندوں کی شاخیں اور فرعیں اچھی ترتیب میں واضح ہو سکیں۔

**صحیح مسلم کی شرحیں** بخاری شریف کی طرح امت نے صحیح مسلم کی بھی شرح وتہذیب اور تلخیص واستدراک کی جانب خوب توجہ دی ہے البتہ مسلم کی جانب جو عنایت امت نے مبذول کی ہے وہ بخاری شریف سے کم ہے۔ اہم شرحیں درج ذیل ہیں۔

(۱) المعلم بفوائد کتاب مسلم    ابو عبداللہ محمد بن علی المازری (۵۳۶ھ)

یہ کتاب دار الکتب المصریہ میں مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے۔

(۲) اکمال المعلم    قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی المالکی (۵۵۴ھ)

یہ کتاب بھی مخطوطہ ہے دار الکتب المصریہ میں اس کے صرف چھ اجزاء موجود ہیں۔

۳۔ المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج    الحافظ ابو زکریا محی الدین یحیٰ بن شرف النووی (۶۷۶ھ)

آپ نے اپنی اس شرح میں مازری اور عیاض کی شرحوں پر اعتماد کیا ہے ان دونوں سے کثرت سے نقل کیا ہے: یہ ایک متوسط شرح ہے جس میں مؤلف نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ نہ تو بے حد مختصر ہو جائے اور نہ ہی کافی طویل۔ مؤلف اپنے منہج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ شرح ایک متوسط شرح ہے جو نہ تو بالکل مختصر ہی ہے اور نہ ہی کافی طویل اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ طوالت کی بناء پر لوگ اس کی جانب رجوع کرنے سے گھبرائیں گے اور ان کی ہمتیں جواب دے دیں گی تو میں سو سے زائد جلدوں میں اس کی شرح لکھتا۔ کیونکہ افصح المخلوقات کے فصیح و بلیغ جملے، بے شمار فوائد اور نکتوں پر مشتمل ہیں۔ میں نے اپنی شرح میں لغوی الفاظ کی تشریح، مشکل الفاظ کے ضبط، اسماء رجال کی توضیح، کنیتوں کی تصریح، سند و متن کے لطیف علوم کا تذکرہ کیا ہے۔ متعارض احادیث کے درمیان تطبیق و توفیق، حدیث کے علمی فوائد، اور ان کے دلائل کا تذکرہ کیا ہے۔ عموماً راویوں کے بیان میں قائلین کی جانب نسبت نہیں کی ہے۔

اگر امام نوویؒ نے اس شرح کو شرح وسط کے ساتھ لکھا ہوتا تو اس کو مسلم کی شرحوں میں وہی مقام و مرتبہ ملتا جو بخاری کی شرحوں میں فتح الباری کو حاصل ہے۔ کتاب کے شروع میں کافی عمدہ، طویل اور نفیس اور سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے درانحالیکہ بیشتر مقامات پر غریب الفاظ کی تشریح، مشکل معانی کی توضیح کو نظر انداز کرتے ہوئے چند مختصر جملوں پر نووی نے اکتفاء کر لیا ہے۔ جس سے اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔

۴۔ شرح ابی الفرج عیسیٰ بن مسعود الزواوی (۷۴۳ھ)

پانچ جلدوں میں کافی ضخیم شرح ہے، المعلم، اکمال المعلم، المفہم اور المنہاج سے آپ نے اس کو ترتیب دیا ہے۔



۵۔ **اکمال اکمال المعلم**۔    ابو عبداللہ محمد بن خلیفہ الوشتانی (۸۲۷ھ)

متعدد جلدوں میں یہ شرح ہے۔ مازری، عیاض، قرطبی اور نووی کی شرحوں کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ ابن عرفہ اور اپنے استنباطات و فوائد کا اضافہ کیا ہے۔ مازری کی جانب حرف میم، عیاض کی جانب حرف عین، قرطبی کی جانب حرف طا، اور نووی کی جانب حرف دال سے اشارہ کرتے ہیں۔ اپنے شیخ ابن عرفہ کو "قال الشیخ" سے تعبیر کیا ہے۔

فقہی تفصیلات و جزئیات کا شرح وسط کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور خصوصاً مالکی فقہ کی جزئیات کافی زیادہ پائی جاتی ہیں۔

۶۔ **مکمل اکمال الاکمال**    ابو عبداللہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی (۸۹۵ھ)

یہ شرح، شرح ابی عبداللہ الوشتانی کی تلخیص و اضافہ ہے۔

۷۔ **الدیباج علی شرح مسلم بن الحجاج** (۹۱۱ھ): یہ شرح مختصر اور لطیف ہے شروع میں مسلم کی شرطوں اور کتاب میں وارد ان کی مصطلحات کا تعارف، کنیتوں کی تصریح، اسماء والقاب میں سے مشکل ترین اسماء پر حرکت کا ذکر ہے۔

## نامکمل شرحیں

۱۔ **الابتهاج**۔ اٹھارہ جلدوں میں نصف کتاب کی شرح ہے۔

۲۔ **شرح الشيخ علی القاری الهروی** (۱۰۱۴ھ) یہ شرح چار جلدوں میں ہے۔

۱۔ **مختصر الشيخ ابی عبدالله شرف الدين محمد بن عبدالله المرسی** (۶۵۶ھ)

۲۔ **مختصر الشيخ الامام احمد بن ابراهيم القرطبی** (۶۵۶ھ) آپ نے اپنی اس تلخیص کی شرح بھی لکھی ہے جس میں ابواب کے عناوین، غریب الفاظ کی شرح، تراکیب پر گفتگو اور حدیث کے فوائد پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے آپ نے اپنی اس شرح کا نام "المفہم لما اشکل من تلخیص صحیح مسلم" رکھا ہے۔ امام نووی اپنی شرح اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس شرح سے

کا فی استفادہ کیا ہے۔

بقیہ الامام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری (۶۵۶ھ) اس تلخیص کی شرح عثمان بن عبد الملک نے ۷۳۸ھ میں کی ہے۔

۳۔ **سنن ابی داؤد** سلیمان بن الاشعث بن اسحاق الازدی السجستانی (۲۷۵ھ)

آپ نے اپنی اس کتاب میں ان جملہ احادیث کو جمع کر دیا ہے جن سے فقہاء نے استدلال کیا ہے اور جن کو فقہاء نے اپنا مستدل و مآخذ بنایا ہے۔ صحیح، حسن، ضعیف ہر طرح کی حدیثیں جمع کی ہیں البتہ کوئی ایسی حدیث جس کے متروک ہونے پر امت کا اجماع ہو وہ آپ کی سنن میں نہیں پائی جاتی۔ جو حدیثیں ضعیف ہیں آپ نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ اور جس حدیث میں کوئی علت تھی اس کو بیان کر دیا ہے اور ہر حدیث کے لیے باب قائم کر کے کسی نہ کسی عالم اور فقیہ کی رائے کی جانب اشارہ کر دیا ہے، جن حدیثوں کے تعلق سے آپ نے خاموشی اختیار کی ہے وہ آپ کے نزدیک عمدہ ہے۔

ابراہیم الحربی کہتے ہیں کہ: ”ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں اصول علم اور احکام فقہ کی جتنی حدیثیں جمع کر دی ہیں کوئی عالم نہ تو اس باب میں آپ سے سبقت لے جا سکا اور نہ ہی بعد میں کوئی محدث ان تک پہنچ سکا۔“

علامہ نووی کہتے ہیں: ”فقیہ و مجتہد کو چاہیے کہ وہ سنن ابی داؤد کی جانب کافی توجہ دے اور اس کی مکمل معرفت حاصل کرے کیونکہ ابوداؤد کی زیادہ تر احادیث فقہی احکام کا مستدل و مآخذ ہیں نیز ان سے استفادہ اور اس کی احادیث کی تلخیص بھی کافی آسان ہے۔“

ابن الاعرابی کہتے ہیں: ”یہ کتاب اسلام کی بنیادی کتابوں میں سے ایک ہے فقہاء اس پر اور سنن ترمذی پر لفظ ”صحاح“ کے استعمال سے گریز نہیں کرتے ہیں۔“

## سنن ابی داؤد کی شرحیں

۱۔ **معالم السنن** (الخطابی ۳۸۸ھ) یہ ایک متوسط شرح ہے جس میں مؤلف نے لغات اور روایات کی تحقیق، الفاظ اور کلمات کی تشکیل اور احکام و آداب کے استنباط کی جانب بھرپور توجہ دی ہے



نیز الفاظ کی تشریح اور احادیث سے ماخوذ و مستنبط فقہی مسائل کا تذکرہ بھی خوب ہے۔

۲۔ **قطب الدین ابی بکر الیمنی** (۶۵۲ھ) کی شرح

۳۔ **شرح الشیخ علاؤ الدین الحنفی**۔ یہ شرح نامکمل ہے۔

۴۔ **شرح الشیخ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن الشافعی** (۸۰۴ھ)

صحیحین سے زائد احادیث کی دو جلدوں میں آپ نے شرح کی ہے۔

۵۔ **شرح الشیخ حافظ ولی الدین العراقی** (۸۲۶ھ) آغاز کتاب سے سجدہ سہو تک سات اجزاء میں اور ایک جلد میں، کتاب الصیام حج اور جہاد کی تخریج ہے اگر آپ نے اس شرح کی تکمیل کی ہوتی تو یہ چالیس جلدوں میں ہوتی۔

۶۔ **شرح العلامہ بدر الدین العینی** (۸۵۵ھ) ادھوری شرح ہے۔

۷۔ **مرقاۃ الصعود الی سنن ابی داؤد حافظ جلال الدین السیوطی** (۹۱۱ھ)

## سنن ابی داؤد کی تلخیص

حافظ عبد العظیم بن عبد القوی نے سنن ابی داؤد کی تلخیص کی ہے علامہ منذری نے ہر حدیث کے بعد ائمہ خمسہ میں سے جن لوگوں نے اس حدیث کی لفظی یا معنوی تخریج کی ہے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد حدیث کی علتوں پر عمدہ بحث کی ہے۔ اس تلخیص کی تہذیب و تلخیص اور شرح محمد بن ابی بکر حافظ ابن قیم الجوزیہ نے کی ہے۔ آپ اس کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں: ”علامہ منذری نے سنن ابی داؤد کی تلخیص و تہذیب اور احادیث کی تخریج اور ان کی علتوں پر بہتر انداز میں روشنی ڈالی ہے اس میدان میں آپ کو سبقت حاصل ہے، میں نے اس کتاب کو ذخیرہ آخرت سمجھتے ہوئے اس کی از سر نو تلخیص کی ہے، جن احادیث کی تصحیح سے متعلق آپ نے خاموشی اختیار کی تھی ان کی میں نے تصحیح کر دی ہے، جو علتیں آپ نے چھوڑ دی تھیں میں نے ان کا تذکرہ کیا ہے جن غامض اور پیچیدہ جملوں کی تخریج نہ ہو سکی تھی میں نے ان کی وضاحت کر دی ہے ہر باب سے متعلق صحیح اور حسن حدیثوں کو یکجا کر دیا ہے۔ اور بعض مقامات پر مفصل اور ایسی واضح روشنی ڈالی ہے جسے قاری دوسری کتابوں میں نہیں پا سکتا۔

شبہات حول السنہ

# فتنۂ انکارِ حدیث
## (۲)

انیس احمد فلاحی

**منکرین حدیث کے دلائل:**

**آثار صحابہ:**

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اپنے صحیفہ کو جلانا: عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میرے والد نے پانچ سو احادیث جمع کی تھیں۔ ایک رات بے چینی سے کروٹیں بدل رہے تھے جس سے مجھے بڑا رنج ہوا میں نے پوچھا کیا کوئی تکلیف یا کوئی پریشانی لاحق ہوئی ہے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے کہا: بیٹی وہ حدیثیں جو تمہارے پاس ہیں لاؤ۔ میں لائی تو آپ نے آگ منگائی اور جلا دیا۔ میں نے پوچھا کیوں جلا دیا تو فرمایا: مجھے یہ اندیشہ ستائے جا رہا تھا کہ کہیں اس صحیفہ میں ایسی احادیث نہ آ گئی ہوں جسے میں نے کسی پر اعتماد کر کے بیان کیا ہو اور وہ اسطرح نہ ہو جس طرح اس نے مجھ سے بیان کیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۵/۱)

ایک دوسرے طرق میں یہ الفاظ وارد ہیں: "ہوسکتا ہے کوئی حدیث باقی ہو جو مجھے نہ مل کی ہو تو یہ کہا جانے لگے۔ اگر یہ حدیث ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مخفی نہ رہتی۔ نیز میں تم لوگوں سے حدیث بیان کروں درانحالیکہ مجھے نہیں معلوم کہ شاید میں اس حدیث کے ہر ہر حرف کو ہوبہو نقل کر رہا ہوں یا نہیں"۔ (کنز العمال، ۱۰/۲۸۵)

ابو ریہ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے صحابہ احادیث کی کتابت سے رک گئے تھے۔ اگر حدیثیں حجت ہوتیں تو ابوبکر صدیقؓ اپنی لکھی ہوئی احادیث کو نہ جلاتے۔

جواباً عرض ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ متعدد علماء حدیث نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں: "فھذا لا یصح" "یہ روایت صحیح نہیں ہے"۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۵/۱)

ابن کثیر کہتے ہیں: یہ حدیث اس طرق سے بے حد غریب ہے اور اسکے ایک راوی علی بن صالح مجہول ہیں۔ (کنز العمال ۱۰/۲۸۵)

معلمی کہتے ہیں! "اسکی سند میں علی کے علاوہ بعض دیگر راوی بھی متکلم فیہ ہیں"۔ (الانوار الکاشفہ: ۳۸)

احادیث کی کتابت کی ممانعت پر اس حدیث سے استدلال اس لئے بھی درست نہیں کیونکہ متعدد دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے بعض عاملوں کے پاس جو خطوط ارسال کیے تھے۔ ان میں زکوٰۃ اور دیگر امور کے متعلق احادیث درج تھیں۔ (دیکھئے بخاری حدیث رقم ۱۴۴۸، وابو داؤد حدیث رقم: ۱۵۶۷)

ابوبکر صدیقؓ نبی اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ قریب تھے۔ اگر آپ احادیث کی تدوین کا ارادہ کرتے تو آپ کو اپنے درمیان اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان کسی واسطہ کی حاجت نہ پڑتی۔ نیز اگر مذکورہ بالا روایت صحیح ہوتی تو وہ احادیث کی کتابت کے جواز میں دلیل ہوتی۔ کیونکہ اگر آپ ﷺ نے مطلقاً احادیث کی کتابت سے منع فرمایا ہوتا تو ابوبکر صدیقؓ صحیفہ نہ لکھتے نیز صحیفہ کی جلانے کی علت احادیث کی کتابت کی ممانعت نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ اسکی علت غلطیوں میں وقوع کا احتمال بتائی گئی ہے۔ تو خواہ حدیث صحیح ہو یا ضعیف احادیث کی کتابت کی ممانعت پر اس سے استدلال درست نہیں۔ اور یہ دعویٰ کہ ابوبکر صدیقؓ کو صحیفہ کی تدوین کے وقت ممانعت نبی والی حدیث معلوم نہ تھی باطل ہے۔ بعض احادیث سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں ابوبکر صدیقؓ کی موجودگی میں بعض حدیثیں لکھی گئیں۔ (مسند احمد، ۲/۱۹۶)

**آثار عمرؓ:**

منکرین سنت آپ کے متعدد آثار سے احادیث کی عدم حجیت پر استدلال کرتے ہیں۔

۱: عروۃ بن الزبیرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے احادیث کی کتابت کے تعلق سے صحابہ کرام سے مشورہ کیا انہوں نے لکھنے کا مشورہ دیا تو حضرت عمر فاروقؓ ایک مہینہ تک استخارہ کرتے رہے پھر ایک دن یوں گویا ہوئے! "میں نے احادیث کو لکھنے کا ارادہ کیا پھر مجھے وہ قوم یاد آ گئی جو تم سے پہلے گزری ہیں، جو مختلف کتابوں کو لکھ کر اس کی جانب اتنا متوجہ ہوئے کہ کتاب الٰہی کو چھوڑ بیٹھے۔ خدا کی قسم

میں کتاب الٰہی کو کسی اور چیز سے کبھی گڈمڈ نہیں کروں گا"۔ (تقیید العلم: ۴۹)

یہ روایت سنداً منقطع ہے لہذا اس پر کسی استدلال کی بناء رکھنا درست نہیں۔ اور اگر بالفرض اس روایت کو صحیح مانا جائے تو یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہؓ نے بالاتفاق احادیث کی کتابت کا مشورہ دیا۔ اور بالاتفاق اس مشورہ کا آنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے احادیث کی کتابت سے منع نہ فرمایا تھا ورنہ وہ فوراً آپ کی نہی کو پیش کرتے۔ گویا عمر فاروقؓ کا کتابت سے باز رکھنا صحابہ کے مشورہ یا کسی دلیل کی بناء پر نہ تھا، شاید آپ کا مقصد کتاب الٰہی کو فوقیت و اولیت دینا رہا ہو۔ کیونکہ کتاب الٰہی کو لفظاً ومعناً دونوں لحاظ سے محفوظ رکھنا شریعت کو مطلوب ہے، جب کہ احادیث کی معنوی لحاظ سے حفاظت بھی کافی ہے۔ (دراسات فی الحدیث النبوی: ۱۳۳)

۲: قاسم کی روایت کے مطابق آپ نے لوگوں کے پاس موجود احادیث کے صحیفوں کو یکجا کر کے جلا دیا اور فرمایا: "کیا اہل کتاب کی خواہشات کی طرح خواہش کرو گے"؟ (تقیید العلم: ۵۱) یہ روایت بھی منقطع ہے یعنی ضعیف اور ساقط الاعتبار ہے۔

۳: آپ نے پورے عالم اسلام میں یہ اعلان فرمایا کہ جس کے پاس کوئی حدیث رکھی ہوئی ہو وہ اسے مٹا دے۔ (تقیید العلم ۵۲-۵۳) یہ روایت بھی منقطع اور ضعیف ہے۔

۴: قرظہ بن کعب کہتے ہیں کہ آپ نے کوفہ جانے والے بعض انصار کو یوں نصیحت فرمائی: "یہاں کے لوگ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر احادیث کی روایت کے لئے کہیں گے تو نبی اکرم ﷺ سے روایت میں کمی کرنا"۔ (الدارمی: ۸۵/۱)

ابو محمد الدارمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غزوات و مغازی کی تفصیلات اور غزوات میں بہادری کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان کرنا، عملی و احکامی احادیث اور فرائض میں کمی مقصود نہیں ہے۔ (الدارمی: ۸۵/۱)

امام دارمی نے عمر فاروقؓ کے قول کی جو تشریح کی ہے اسکی تائید خود عمر فاروقؓ کے ایک دوسرے قول سے ہوتی ہے۔ البدایہ میں ہے: "عملی احادیث کے علاوہ دیگر امور میں نبی اکرم ﷺ سے روایت میں کمی کرنا"۔ (البدایہ والنہایہ، ج: ۸، ص: ۱۰۷)

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا مقصود ابتداء اسلام میں ایمان لانے والے افراد و قبائل اور انکی جانب سے



اسلام کی راہ میں ڈالی جانے والی مشکلات وغیرہ کی روایت کو روکنا تھا کیونکہ ان واقعات سے مختلف قبائل کے درمیان بغض وحسد کے پیدا ہونے کا امکان تھا۔ (دراسات فی الحدیث النبوی: ۱۳۳)

۵: عمر فاروقؓ نے ابوھریرہؓ کو احادیث کی روایت کرنے پر ان کے وطن دوس جلاوطن کرنے کی دھمکی دی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۲، ص: ۴۳۳)

یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ المعلق کہتے ہیں: "سند میں یک راوی محمد بن زرعہ مجہول ہیں۔ نیز سند میں دیگر اشکالات بھی پائے جاتے ہیں۔

ابوھریرہؓ مدینہ میں رہتے تھے۔ اگر عمر فاروقؓ نے انہیں اسطرح کی کوئی دھمکی دی ہوتی تو اس کو مدینہ میں معروف ہونا چاہئے تھا۔ نیز دیگر صحابہ آپ کی تعریف وتوصیف نہ کرتے۔ خود ابن عمر اپنے والد کی اس دھمکی کے بعد ابوھریرہؓ کے کثرت روایت پر انکی مدح نہ کرتے۔ مذکورہ بالا حدیث شام ہی میں پھلی پھولی۔ آخر یہ حدیث اہل مدینہ کے درمیان کیوں نہ پھیلی۔ اور اگر ابوھریرہؓ ساقط الاعتبار ہوتے تو حضرت عمر فاروقؓ انہیں اپنے آخری عہد خلافت میں بحرین کا قاضی اور امام بنا کر بھیجتے۔ (الانوار الکاشفہ: ۱۵۳-۱۵۵)

۶: حضرت عمر فاروقؓ نے ابوہریرہؓ کو کثرت روایت کی بناء پر مارا تھا۔ (شرح نہج البلاغہ، ج: ۱، ص: ۳۶۰)

یہ حدیث شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ کسی صحیح روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ عمر فاروقؓ نے روایت حدیث یا کسی معاملہ کی بناء پر ابوہریرہؓ کو مارا ہو۔

۷: حضرت عمر فاروقؓ نے ابوذر، عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداء کو روایت حدیث کی بناء پر جیل میں ڈال دیا تھا۔ (العلل ۹۳/۱، المستدرک ۱۱۰/۱)

اس حدیث کی سند منقطع ہے نیز بعض طرق میں صحابہؓ کے ناموں میں بھی اضطراب پایا جاتا ہے۔ پھر اس حدیث کے موضوع ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ ابوذرؓ سے ۲۸۰ اور ابوالدرداء سے ۱۷۹ احادیث صرف مروی ہیں لہذا کثرت روایت کی بناء پر ان دونوں صحابہ کو جیل میں ڈالنا خلاف معقول ہے۔ رہے عبداللہ بن مسعودؓ تو ان سے "۸۴۸" روایات مروی ہیں۔ اور عمر فاروقؓ نے انہیں کوفہ استاد اور اپنا وزیر بنا کر بھیجا اور اہل کوفہ کے پاس لکھا: "میں انہیں اپنے سے جدا کر کے آپ لوگوں کی خاطر بھیج رہا ہوں"۔

مذاہب عالم

# عیسوی شریعت کے عائلی قوانین

انیس احمد مدنی

**عقد نکاح:** عیسائیت کے یہاں تجرد اور رہبانیت کی زندگی مستحب و پسندیدہ ہے۔ زنا کے اندیشہ کی صورت میں نکاح کرلینا مسنون ہے۔ کرنتھیوں میں ہے: "کنواریوں کے حق میں میرے پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں لیکن دیانت دار ہونے کے لئے جیسا خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق اپنی رائے دیتا ہوں۔ پس موجودہ مصیبت کے خیال سے میری رائے میں آدمی کے لئے یہی بہتر ہے کہ جیسا ہے ویسا ہی رہے"
(باب ۷/ ۲۵۔ ۲۷)

**نکاح کی شرطیں:** (۱) دونوں کا دین ایک ہو یعنی دونوں مسیحی ہوں۔ (۲) دونوں کا مسلک و مذہب بھی ایک ہو، یہ شرط ارتھوڈکس فرقے کے نزدیک ہے البتہ کیتھولک فرقے کے نزدیک مسلک کا اختلاف مانع ازدواج نہیں ہے۔

**نکاح کے آثار:** نکاح کے بعد، خاندان کی دیکھ ریکھ اور نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر کی ہوتی ہے۔ عورت نان و نفقہ میں شوہر کا تعاون کرسکتی ہے، اور اگر وہ کسی پیشہ سے وابستہ ہو تو ایسی صورت میں نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر کے ساتھ عورت پر بھی عائد ہوتی ہے۔

نکاح کے تین اہم آثار عیسوی شریعت میں پڑتے ہیں۔

۱۔ شوہر کو اپنی اولاد پر باپ ہونے کی حیثیت سے اقتدار حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ شادی کے بعد عورت کی شہریت مرد کی شہریت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ عورت اپنے شوہر کے نام کے ساتھ انتساب کرتی ہے۔

**تعدد ازدواج:** مسیحیت کے جملہ فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ ایک سے زائد شادی مرد کے لئے حرام ہے اگرچہ اس سلسلے میں کتاب مقدس میں کوئی نص موجود نہیں۔

**طلاق:** کیتھولک فرقہ کے نزدیک طلاق کسی بھی صورت میں جائز نہیں حتی کہ اگر عورت شوہر کے گھر میں بھی زنا کرلیں تو بھی طلاق کی اجازت نہیں۔ ایسی صورت میں زوجین ایک دوسرے سے جسمانی طور پر علیحدگی اختیار کرلیں اور دونوں میں سے کوئی بھی دوسری شادی نہ کرے۔

طلاق کی حرمت پر وہ انجیل کے درج ذیل نصوص سے استدلال کرتے ہیں:

(۱) اور فریسی اسے آزمانے کو اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے انہیں بنایا اس نے ابتداء ہی سے انہیں مرد اور عورت بناکر کہا کہ اس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جدا ہوکر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور دونوں ایک جسم ہوں گے پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔
(متی، باب ۱۹، ۳۔ ۷)



۲۔ رومیوں کے نام پولس کے خط میں ہے:

"اے بھائیو! کیا تم نہیں جانتے (میں ان سے کہتا ہوں جو شریعت سے واقف ہیں) کہ جب تک آدمی جیتا ہے اسی وقت تک شریعت اس پر اختیار رکھتی ہے۔ چنانچہ جس عورت کا شوہر موجود ہے وہ شریعت کے موافق اپنے شوہر کی زندگی تک اس کے بند میں ہے لیکن اگر شوہر مرگیا تو وہ شوہر کی شریعت سے چھوٹ گئی، پس اگر شوہر کے جیتے جی دوسرے مرد کی ہوجائے تو زانیہ کہلائے گی لیکن اگر شوہر مرجائے تو وہ اس شریعت سے آزاد ہے یہاں تک کہ اگر دوسرے مرد کی ہو بھی جائے تو زانیہ نہ ٹھہرے گی۔" (باب ۷/ ۱۔ ۴)

ارتھوڈکس فرقہ کے نزدیک طلاق درج ذیل دو حالتوں میں جائز ہے۔

(۱) زوجین میں سے کوئی زنا کر بیٹھے تو اس صورت میں دوسرے کو طلاق لینے کا حق حاصل ہوگا۔ انجیل متی میں ہے: "اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے تو زنا کرتا ہے۔" (باب ۱۹/ ۱۰)

(۲) جب زوجین میں سے کوئی مسیحیت تبدیل کردے تو ایسی صورت میں دوسرے فریق کو تفریق کا حق حاصل ہوگا۔ کرنتھیوں کے نام خط میں ہے: "وہ عورت جس کا شوہر غیر مسیحی ہو اور وہ اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو اسے نہ چھوڑے کیونکہ وہ غیر مسیحی شوہر عورت کے لئے مقدس ہے ایسی غیر مسیحی عورت مسیحی شوہر کے لئے مقدس ہے ورنہ تمہاری اولاد نجس ہوتی لیکن وہ لوگ مقدس ہیں البتہ اگر غیر مسیحی کو چھوڑنا چاہتا ہو تو چھوڑ سکتا ہے۔

**حسن معاشرت کا حکم:** عیسوی شریعت زوجین کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے پر ابھارتی ہے کرنتھیوں میں ہے: "شوہر بیوی کا حق ادا کرے اور ویسا ہی بیوی شوہر کا" (باب ۷/ ۵)

شریعت عیسوی عورتوں سے محبت و پیار کرنے کا حکم دیتی ہے: "اے شوہرو! اپنی بیویوں سے محبت رکھو جیسے مسیح نے بھی کلیسا سے محبت کرکے اپنے آپ کو اس کے واسطے موت کے حوالے کردیا" (افسیوں کے نام خط باب ۵/ ۲۶)

ایک دوسرے مقام پر ہے "بہر حال تم میں سے بھی ہر ایک اپنی بیوی سے اپنی مانند محبت رکھے اور بیوی اس بات کا خیال رکھے کہ اپنے شوہر سے ڈرتی رہے۔" (افسیوں ۵/ ۳۳)

**احکام مواریث:** عیسوی شریعت میں میراث کے احکام نہیں ہے۔ اکثر وصیت کے ذریعہ میراث تقسیم کی جاتی ہے اور عموماً بڑے لڑکے کو ملتی ہے۔ نصاری کے اکثر فرقے میراث کے باب میں اسلامی شریعت کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

مذاہب عالم

# توریت کا تعارف (۱)

ابوارقم فلاحی

**توریت کی اصل:** توریت عبرانی لفظ ہے اس کی اصل "تورا" ہے جس کے معنی قانون شریعت اور تعلیم کے آتے ہیں۔ (دائرۃ معارف القرآن العشرین وجدی ج ۲/۲ء۷، "القاموس الاسلامی احمد عطیۃ اللہ ۱/ ۵۰۸)

عربی میں یہ لفظ "وری الزند" سے ماخوذ ہے (یعنی چقماق کا آگ نکالنا) یعنی توریت سراپا روشنی ہے۔ بعض اہل لغت کے نزدیک یہ "توریۃ" سے ماخوذ ہے (المصباح المنیر ۲/ ۹۵۷)

**توریت کی اصطلاحی تعریف:** یہودیوں کے نزدیک: توریت سے مراد وہ اسفار خمسہ ہیں جنھیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔

**مسلمانوں کے نزدیک توریت کی تعریف:** وہ کتاب جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل فرمایا تھا اور جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔

**توریت کے اسماء:** (۱) بنتاتوک۔ یہودی اسے بنتاتوک بھی کہتے ہیں جو "پنتا" سے ماخوذ ہے یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی پانچ کے آتے ہیں۔ یعنی وہ کتاب جو پانچ صحیفوں پر مشتمل ہے۔

(۲) خمیس موسیٰ (۳) صحائف موسیٰ (۴) صحائف خمسہ (Pentateuch) (۵) عہد نامہ قدیم۔ عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کا انسان سے کیا ہوا سچا وعدہ۔

**توریت کے قرآنی اسماء:** قرآن مجید میں توریت کا ۱۸ مقامات پر تذکرہ آیا ہے۔ دس مقامات پر منفرد اور آٹھ مقامات پر انجیل کے ساتھ آیا ہے۔ بعض آیات میں توریت کے بعض اسماء کا بھی تذکرہ آیا ہے جن کا مختصر خلاصہ ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔



(۱) نور (۲) ہدیٰ سورۃ المائدہ میں ہے "انا انزلنا التوراۃ فیہا ہدی ونور" (۴۴) ہم نے نازل کی توریت کو اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ یعنی وصول الی اللہ کے طالبین کے لیے ہدایت کا اور شبہات و مشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کے لیے روشنی کا کام دیتی ہے۔

(۳) ضیاء (روشنی) (۴) فرقان (۵) ذکر، یہ دونوں سورۃ الانبیاء میں ہے۔

"ولقد آتینا موسیٰ وہارون الفرقان وضیاء وذکرا للمتقین (۴۸) اور ہم نے موسیٰ وہارون کو فیصلہ چکانے والی کتاب اور روشنی اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت والی کتاب عطا فرمائی۔ یعنی توریت شریف حق و باطل، ہدایت وضلالت، حلال وحرام، خیر وشر، سعادت و بدبختی کے قضیے چکانے والی اور جہل وغفلت، فسق وطغیان کی اندھیریوں میں روشنی پہونچانے والی اور خدا سے ڈرنے والوں کو نصیحت سنانے والی کتاب تھی۔

**اسفار خمسہ کا تعارف:** اسفار خمسہ میں درج ذیل پانچ صحائف آتے ہیں۔

(۱) پیدائش (۲) خروج (۳) لاویین (۴) اعداد (۵) تثنیہ۔

۱۔ **سفر تکوین:** (Genesis) اس میں زمانہ قبل موسیٰ سے مجملا بحث کی گئی ہے۔ یہ پچاس ابواب پر مشتمل ہے اس میں کائنات کی تخلیق، آدم علیہ السلام اور حواء کا قصہ، نوح اور طوفان نوح علیہ السلام، سام، حام اور یافث کے احوال، ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی ذریت اور خصوصا یعقوب علیہ السلام اور آل یعقوب کا تفصیلی تذکرہ ہے، آل یعقوب کا مصر میں دخول اور پھر آخرش یہ صحیفہ یوسف علیہ السلام کی وفات پر ختم ہوتا ہے۔ اس سفر کو "سفر الخلیقہ" بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ **سفر خروج** (Exodus) خروج کے لغوی معنی نکلنے کے آتے ہیں چونکہ اس سفر میں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے اس لئے اسے خروج کہا جاتا ہے یہ چالیس ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ صحیفہ مصر میں بنی اسرائیل کے مختلف ادوار، قصہ موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی دعوت کے مختلف مراحل، اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے اور بحر قلزم میں فرعون کے غرق کئے جانے اور بنی اسرائیل کے صحراء سینا میں داخل ہونے، وہاں بچھڑے کی عبادت

کرنے، اور مقدس سرزمین میں دخول سے انکار اور اس کے نتیجے میں صحراء سینا میں چالیس سال تک بھٹکنے کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

اس سفر میں عبادت، معاملات اور عقوبات کے بعض شرعی احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔

۳۔ سفرِ احبار/لاویین (Eviticus) اسے سفر احبار بھی کہتے ہیں' اس میں ۲۷ ابواب ہیں۔ لاویون، لاوی یا لیفی کی جانب نسبت ہے جو یعقوب علیہ اسلام کے لڑکے تھے اور انھیں کی نسل سے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام تھے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے لاویون کو ہی ہیکل، وہاں پیش کی جانے والی قربانیوں کے رسوم کی ادائیگی اور یہودی شریعت کی دیکھ ریکھ کا ذمہ دار بنایا تھا اس لئے یہ سفر انھیں کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔

اس سفر میں عبادات جیسے قربانی، چڑھاوے کے احکام اور حرام جانوروں اور حرام چیزوں کا تفصیلی تذکرہ ہے، اور دینی و مذہبی رسوم کی ادائیگی کا طریقہ اور ان کی ادائیگی میں بنو لاوی کے اہم رول کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ سفرِ عدد (Number) اسے عدد اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے زیادہ تر ابواب میں صحراء سینا میں پہونچنے کے بعد، بنی اسرائیل کے قبائل، ان کی فوجوں اور اموال اور دیگر قابل شمار اشیاء کی جو گنتی و مردم شماری کی گئی تھی وہ درج ہے۔ یہ ۳۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں خروج کے بعد کا تاریخی تبصرہ ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل نے صحراء سینا سے نکل کر اردن اور ماوراء اردن کا علاقہ فتح کیا اور چند عبادات و معاملات سے متعلق احکام و قوانین بھی مندرج ہیں۔

۵۔ سفرِ تثنیہ (Deuteronomy) تثنیہ کے لغوی معنی شریعت کے تکرار اور اوامر و نواہی کے اعادہ کرنے کے آتے ہیں، یہ ۳۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ سفر یہودی شریعت کے ان احکام کے بیان پر مشتمل ہے جو جنگ و سیاست، اقتصاد و معاملات، سزاؤں اور عبادات سے متعلق ہیں۔ یہ صحیفہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر ختم ہوتا ہے۔



# جامعہ کے لیل و نہار

**امتحانات**

ان شاء اللہ درج ذیل صراحت کے تحت سالانہ امتحانات، تعطیل کلاں، نئے سال کا آغاز اور امور انجام پذیر ہوں گے۔

☆ ۲۲ر ستمبر ۲۰۰۳ء رواں تعلیمی سیشن کا آخری دن ہوگا۔

☆ ۲۳ر ستمبر ۲۰۰۳ء آغاز امتحان سالانہ

☆ ۱۴ر اکتوبر ۲۰۰۳ء آخری پرچہ

☆ ۲۱ر اکتوبر ۲۰۰۳ء اعلان نتائج، مقامی طلبہ دفتر سے وصول کرلیں اور بورڈر طلبہ کو بذریعہ ڈاک بھیجا جائے گا۔

**تعطیل کلاں، اور نئے تعلیمی سال ۴-۲۰۰۳ء کا آغاز**

☆ ۲۲ر اکتوبر ۲۰۰۳ء تعطیل کلاں کا آغاز

☆ یکم دسمبر ۲۰۰۳ء ۲۰۰۴ء/۲۰۰۳ نئے تعلیمی سال کا آغاز

☆ ۲ر دسمبر ۲۰۰۳ء آغاز ضمنی امتحانات، ایک ترتیب کے ساتھ امتحانات کا سلسلہ ۹ دسمبر تک جاری رہے گا۔

☆ ۳ر دسمبر ۲۰۰۳ء پہلا داخلہ ٹیسٹ

☆ ۷ر دسمبر ۲۰۰۳ء دوسرا داخلہ ٹیسٹ

☆ ۱۰ر دسمبر ۲۰۰۳ء باقاعدہ تعلیم کا آغاز

☆ اس دوران طلبہ/طالبات اپنے حسابات، تجدید داخلہ، فراہمی کتب، اور دیگر امور انجام دے لیں۔ عربی پنجم کے طلبہ/طالبات اپنے مقالات ۲۴ر اگست تک جمع کردیں، ورنہ نمبرات وضع ہوں گے۔

☆ امتحان میں شرکت کے لیے بقایا جات کی ادائیگی اور مطلوبہ فیصد حاضری ضروری ہوگی۔

☆ ضمنی امتحانات دوبارہ نہیں ہوں گے۔ (جاری کردہ دفتر اہتمام)

## امریکی کلچرل امور کے کونسلر، رابرٹ کی جامعہ تشریف آوری:

۲۹ راگست کو امریکی کونسلر رابرٹ اسمتھ جامعہ تشریف لائے تو استفادہ کے لئے ابو اللیث ہال میں طلبہ واساتذہ کے ساتھ ایک نشست رکھی گئی۔ موصوف نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا! "کہ ہندوستان کے بڑے مدارس کو قریب سے دیکھ کر میں بے حد متاثر ہوا۔ یہ ادارے امن وسلامتی کے پیغامبر ہیں۔ امریکہ کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا! " امریکہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن نہیں ہے بلکہ وہ دہشت گردی کے خلاف ہے"۔ (حالانکہ دہشت گردی کا ہوّا اسلام اور مسلمانوں کو زیر کرنے کے لئے ہی کھڑا کیا گیا ہے جو درحقیقت مسلمانوں کے حقیقی دشمن یہودیوں کا ایک نیا چال ہے۔)

طلبہ نے ان سے متعدد سوالات کیے اور بطور خاص عراق اور فلسطین کے بارے میں امریکی پالیسی پر سخت سوالات ہوئے جن کا جواب دینے میں رابرٹ اسمتھ کو بڑی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مدارس کے دورے کا مقصد باہم رابطہ، قریبی واقفیت اور ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ ہے۔ (یہ سرا سر جھوٹ ہے۔ عالم اسلام کے اہم مدارس مذہبی شخصیات سے امریکی کونسلروں کی ملاقات کا اہم ترین مقصد انہیں امریکی پالیسی کے لئے رام کرنا ہے)۔

جامعہ میں شعبہ انگریزی کے استاذ محمد سہیل فلاحی نے پروگرام کے آغاز میں جامعہ کا مختصر تعارف کرایا اور جامعہ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یہاں تعلیم کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے موصوف ہی نے ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیے۔ آخر میں معاون مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا مقبول احمد فلاحی نے مہمان کی آمد پر شکریہ ادا کیا۔ اور اس بات پر زور دیا کہ امریکہ اگر دنیا میں اپنی تصویر ٹھیک کرنا چاہتا ہے تو اسے مبنی بر انصاف حقیقت پسندانہ موقف اختیار کرنا ہوگا۔ ناظم جامعہ مولانا ابو البقاء ندوی نے مہمان کی خدمت میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ بطور ہدیہ پیش کیا۔

### اظہارِ تعزیت:

یہ خبر دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ جناب ڈاکٹر مظفر الاسلام صاحب فلاحی اور جناب محمد مجیب صاحب فلاحی کے والد محترم جناب محمد افضل صاحب ۱۶ر ستمبر کو منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ موصوف دیندار اور صوم وصلوٰۃ کے بے حد پابند تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے آپ کو کافی شغف تھا۔ جامعہ سے بھی آپ کا گہرا تعلق تھا۔ ادارہ حیات نو پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ وہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔ انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔



## قرار داد:

کنونشن "مدارس اسلامیہ۔ اور چیلنجز" مورخہ ۲۳ر اگست ۲۰۰۳ء، نئی دہلی۔
زیر اہتمام: جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ، یوپی۔

ہندوستان کی سرزمین پر قائم مدارس اسلامیہ کا رول انتہائی شاندار اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ علوم اسلامیہ کی تعلیم، اسلام کی تبلیغ واشاعت، انسانی اقدار کے فروغ اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان دوری کے خاتمے کے سلسلے میں ان کی خدمات بہت نمایاں ہیں اور ان مدارس کے فضلاء نے وطن عزیز کی خدمت وصحیح رہنمائی، تعلیم کے فروغ اور سماجی انصاف کے ارتقاء میں لائق تحسین کارنامہ انجام دیا ہے اور یہ ادارے ملک کی اہم ضرورت ہیں۔

افسوس کی بات ہے کہ ادھر چند برسوں سے مدارس اسلامیہ کے خلاف غلط پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اور ان کے اوپر دہشت گردی کا بے بنیاد الزام لگا کر ان کی تصویر کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کی جاری ہے اور کچھ عناصر تو کھلم کھلا ان کو بند کرنے کا مطالبہ تک کر رہے ہیں اور بڑی تشویش کی بات یہ ہے کہ خود حکومت کی جانب سے بھی بعض مواقع پر اس طرح کے بیانات آئے ہیں۔ جن سے مدارس کی امیج خراب ہوتی ہے جب کہ اب تک کوئی ثبوت اس سلسلے میں فراہم نہیں کیا جا سکا ہے۔

ان حالات میں جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ، یوپی کے زیر اہتمام دہلی میں منعقدہ یہ کنونشن ان تمام کوششوں کی پر زور مذمت کرتا ہے جو مدارس کے عظیم تاریخی کردار کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کی تصویر کو خراب کرنے اور عام لوگوں کی نگاہ میں انہیں مشکوک بنانے کے لئے کی جا رہی ہیں مدارس اسلامیہ کے خلاف الزام تراشیاں اور غیر ذمہ دارانہ بیانات نہ صرف عام اخلاقی اصولوں کے منافی ہیں بلکہ جمہوری اقدار اور دستور ہند میں دی گئی بنیادی آزادی کو بھی چیلنج کرنے کے مترادف ہیں۔

ملک وملت کی مذہبی، سیاسی، سماجی اور علمی شخصیات کا یہ کنونشن حکومت وقت سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس طرح کی تمام مذموم کوششوں پر روک لگائے کیونکہ یہ ایک جمہوری ملک اور مہذب سماج کی روایات کے یکسر منافی ہیں۔ نیز یہ اجلاس ملک کے تعلیم یافتہ اور جمہوری اقدار پر یقین رکھنے والے تمام انصاف پسند افراد سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسی حرکتوں کی مذمت کریں اور باشندگان ملک کو ان کی خطرناکی سے آگاہ کریں۔

یہ کنونشن ارباب مدارس سے بھی اپیل کرتا ہے کہ باہمی رابطہ کے ساتھ ان نازک حالات میں اپنی حکمت عملی مرتب کریں اور مدارس اسلامیہ کے رول کو مزید موثر و نتیجہ خیز بنانے کے لئے منصوبہ بند کوشش کریں۔

# بہی خواہانِ جامعہ خدمت میں

## ناظمِ جامعہ

آج کے طوفانی دور میں جب ہر طرف مادیت کی یلغار ہے اور اخلاقی قدریں روبہ زوال ہیں۔ اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور ملتِ اسلامیہ کو مختلف قسم کے چیلنجوں کا سامنا ہے ایسے پر آشوب دور میں "جامعۃ الفلاح" ان چیلنجوں کا ایک پرعزم جواب ہے۔ جہاں مسلمان بچوں کی اس انداز سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے کہ ان کے اندر کتاب و سنت کا گہرا علم پیدا ہو اور وہ اسلامی اخلاق و کردار سے آراستہ ہوں۔ عصرِ حاضر کے افکار و نظریات سے واقف ہوں اور ان کے اندر احیائے دین اور شہادتِ حق کا ایسا جذبہ پیدا ہو کہ وہ وسعتِ قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح اور دعوتِ اسلامی کے لئے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر سکیں۔

نیچے جامعہ کے نمائندوں اور حلقۂ کار کی فہرست دی جا رہی ہے براہِ کرم بہی خواہانِ جامعہ ان کے ساتھ اپنی دلچسپیوں اور ہمدردیوں کا ثبوت دیں اور دیگر احباب کو بھی اس طرف متوجہ کریں۔

۱ جناب ماسٹر سراج احمد و ماسٹر محمد خالد صاحبان — گرانٹ روڈ، مکاتھی، بھکر، چوکی، سات راستہ، بوری بندر، عرب گلی، جراج گلی، مومن پورہ، بدلو پورہ۔

۲ ؍؍ ماسٹر بدر الدین و مولوی اختر علی صاحبان — رے روڈ، ماہم، باندرہ، اندھیری، جوگیشوری، گورے گاؤں، جوہو گلی، کاندیولی، گنیش نگر، ملاڈ، بوریولی، دولے پارلے، سانتا کروز۔

۳ ؍؍ مولانا افتخار الحسن و مولانا امیر فیض صاحبان — کرلا، گونڈی، چمبور، گھاٹ کوپر، مرول ناکہ، وکرولی، بھانڈوپ، تھرانی روڈ، چکالہ، شیواجی نگر

۴ ؍؍ عرفان احمد و حافظ ریاض احمد صاحبان — بھیونڈی

۵ ؍؍ ماسٹر محمد خالد حنیف صاحب — کوسہ ممبرا، پونہ، ناسک، منچور

۶ ؍؍ حافظ عطاء اللہ مولوی عبدالودود صاحبان — بھساول، جلگاؤں، اورنگ آباد، مالیگاؤں، ابر پاتور، آکولہ، جالنہ

۷ ؍؍ ماسٹر محمد مجیب و ماسٹر مشتاق احمد صاحبان — احمد آباد، سورت، دوائی، بڑودہ، بلساڑ، وغیرہ۔



۸ ؍؍ حافظ احسان الحق صاحب — اندور، اجین

۹ ؍؍ ماسٹر محمد ابراہیم و مولانا کمال الدین صاحبان — بنگلور، ہاسن، میسور۔

۱۰ ؍؍ مولوی مجیب الرحمن و محمد راشد یعقوب صاحبان — منگلور، بھٹکل، شموگہ، اڈپی، گوا، دھاروار، وغیرہ۔

۱۱ ؍؍ مولوی معین الدین و ماسٹر محمد سوہیل صاحبان — مدراس، وانم باڑی، عمر آباد، ویلور۔

۱۲ ؍؍ مولوی جرار احمد و مولانا ولی اللہ صاحبان — حیدر آباد، نظام آباد۔

۱۳ ؍؍ ماسٹر اقبال قمر و انوار عالم صاحبان — جے پور، کوٹہ، جودھپور، (راجستھان)

۱۴ ؍؍ مولانا رئیس احمد و عبدالرحمن خالد صاحبان — کلکتہ، آسنسول، بردوان، مالدہ، چوبیس پرگنہ۔

۱۵ ؍؍ حافظ محمد مصطفےٰ و قاری زبیر احمد صاحبان — رانچی، جمشید پور، دھنباد، ہزاری باغ، راؤرکیلا، دربھنگہ۔

۱۶ ؍؍ مولانا محمد اسماعیل صاحب — مظفر پور، بھاگلپور، پٹنہ، سیوان۔

۱۷ ؍؍ نجال الدین و مولانا اشفاق عالم صاحبان — کشنگنج، پورنیہ، ارریہ، سہرسہ، بھاگلپور، کٹیہار، ٹھکو یا، بروئی، بیگو سرائے، لکھی سرائے، مونگیر،

۱۸ ؍؍ مولانا جمیل احمد و مولانا ضمیر الحسن صاحبان — دہلی، غازی پور، میرٹھ، ہاپوڑ، سہارنپور، دہرادون، مظفر نگر۔

۱۹ ؍؍ ماسٹر توفیق احمد صاحب — دہلی، مرادآباد، بدایوں، بیلی بھیت، امروہہ۔

۲۰ ؍؍ ماسٹر نظام الدین صاحب — گورکھپور، بستی، بلرام پور، گونڈہ، بہرائچ۔

۲۱ ؍؍ مولانا اقرار علی و حافظ ضیاء الرحمن صاحبان — ناگپور، بھوپال، سیونی، چھندواڑہ۔

۲۲ ؍؍ ماسٹر معین الدین و مولانا عبداللطیف صاحبان — مئو، محمد آباد، کوپاگنج،

۲۳ ؍؍ مولوی پرویز عالم صاحب — محمد پور صدر، بندوا بازار، مچھر پور

۲۴ ؍؍ ماسٹر منور علی خان صاحب — کراکت، معروف پور، کھیتا سرائے، امرہٹہ۔

۲۵ ؍؍ منشی محمد سہیل صاحب — بنارس، لکھنؤ، کانپور، بریلی، رامپور، علی گڑھ، نینی تال، آگرہ۔

| | | |
|---|---|---|
| ۲۶ | ،، ماسٹر ریاض الدین صاحب | سرائمیر، پھولپور، بھدوہی، مرزاپور، جونپور، الہ آباد۔ |
| ۲۷ | ،، محمد محسن صاحب | فیض آباد، اکبرپور، سلطان پور، ٹانڈہ، بسنور۔ |
| ۲۸ | ،، منشی محمد شمیم صاحب | شہر اعظم گڑھ۔ |
| ۲۹ | ،، ماسٹر شہنواز احمد و ماسٹر کفیل احمد صاحبان | بلریاگنج، جگت پور، شہاب الدین پور۔ |
| ۳۰ | حافظ ارشاد احمد صاحب | دوہی گھریا، مدھنا پار، کرتھی پور۔ |
| ۳۱ | ،، ماسٹر عبدالمالک و صغیر احمد صاحبان | بنگائی پور، علاء الدین پٹی، جگدیش پور، نصیر پور، گھاڑ، بندول، جیراجپور۔ |
| ۳۲ | مولوی علی رضا و عبداللہ صاحبان | اشرف پور، بھکت، بھادا پور، خالص پور، محی الدین پور، چچھوری، چمیں، نگر بند، بمہیا، شیخوپور، محمد پور۔ |
| ۳۳ | ماسٹر ہارون رشید و مولوی شمیم احمد صاحبان | مہراجا، چاندپٹی، کرتھی، ہرئی، درسولپور، حلیم پور، صلاح الدین پٹی، بھیک پٹی، فتح پور، گنگی، مرد ہا، سکندر پور، مہراج گنج۔ |

## اعلانِ عام

انسٹیٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز دہلی نے حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی عظیم الشان علمی ودینی خدمات کے اعتراف میں اسلامیات، سماجیات، ادبیات اور قانون کے شعبے میں گرانقدر خدمات انجام دینے والوں کو شاہ ولی اللہ ایوارڈ دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ پہلا ایوارڈ برائے ۱۹۹۹ء مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو دیا گیا، جبکہ دوسرا ایوارڈ برائے ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۱ء حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب اور پروفیسر نجات اللہ صدیقی صاحب کو دیا جا چکا ہے۔ چوتھا ایوارڈ برائے ۲۰۰۲ء ۲۰ دسمبر ۲۰۰۳ء کو دیا جائے گا۔ ارباب علم ودانش سے انسٹیٹیوٹ نے مستحق حضرات کی نشاندہی کی خواہش کی ہے۔ جو مطبوعہ پروفارمہ پر ہوگی۔ اس کا عنوان قرآنی علوم اور عصر حاضر ہے۔

اہل علم اور اہل قلم کی حوصلہ افزائی کے لئے انسٹیٹیوٹ نے ۲۰۰۳ء کے مقالے کا عنوان شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر طے کیا ہے۔ اس میں اسلامی فکر رکھنے والے ۴۵ سال سے کم کے اہل علم حصہ لے سکتے ہیں۔ انعام کی رقم ۲۵،۰۰۰ روپے مختص کی گئی ہے۔

Regd. No. 46065/86 Phone : 05466-25115

Monthly Mojallah " HAYAT-E-NAU "

Bilariya Ganj - Azam Garh (U.P.) 276121

Oct-Nov 2003 AD.

Vol. No.19 No.10-11

## اپیل

آج جبکہ ہر طرف مادیت کا دور دورہ ہے۔ اخلاقی قدریں روبہ زوال ہیں۔ اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ اور ملت اسلامیہ کو مختلف چیلنجوں کا سامنا ہے۔ ایسے پرآشوب دور میں **جامعۃ الفلاح** تو ان چیلنجوں کا ایک پرعزم جواب اور امید کا ایک روشن مینار ہے۔

**جامعہ** میں مسلم طلبہ وطالبات کی تعلیم وتربیت کا نظم اس طرح کیا گیا ہے کہ ایک طرف ان کے اندر قرآن وسنت کی گہری بصیرت پیدا ہو تو دوسری طرف وہ عصر حاضر کے افکار ونظریات سے بھی بخوبی واقف ہو سکیں۔ ان کے اندر شہادت حق اور احیائے دین کا ایسا جذبہ پیدا ہو کہ وہ اخلاق وکردار کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو کر معاشرہ کی اصلاح اور دعوت دین کے لئے اپنی صلاحیتیں وقف کر سکیں۔

اس وقت جامعہ میں تقریباً پانچ ہزار طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں اور ان کی تعلیم وتربیت اور دیگر امور کی انجام دہی کے لئے تقریباً ۲۵۰ اساتذہ ومعلمات ودیگر کارکنان ہمہ وقت مصروف کار ہیں۔ ہوشربا گرانی اور دیگر مصارف کا بار جامعہ پر برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ اس وقت آپ کی امیدوں کا یہ مرکز مالی پریشانیوں سے دوچار ہے۔

لہٰذا تمام بہی خواہان جامعہ اور برادران ملت سے اپیل ہے کہ بڑھتے ہوئے مصارف کے پیش نظر مالی بحران سے دوچار جامعہ کا مالی واخلاقی تعاون فرما کر ہمارے حوصلوں کو قائم رکھیں تا کہ ادارہ اپنے نصب العین کے حصول میں برابر مصروف کار رہے اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ کے اہم ترین منصوبے زیر عمل لائے جا سکیں۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

والسلام

**ناظم جامعۃ الفلاح**

بلریاگنج اعظم گڑھ یوپی

**بینک اکاؤنٹ:**
**Jamiatul Falah**
A/C No.20001
U.B.I. Bilariyaganj Branch

پتہ

**دفتر حیات نو**

مجلہ حیات نو جامعۃ الفلاح

بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱ فون نمبر: 05466-25115